**احمدیہ انجمن لاہور کی خصوصیات**

- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا، نہ نیا نہ پرانا۔
- کوئی کلمہ گو کافر نہیں۔
- قرآن کریم کی کوئی آیت بھی منسوخ نہیں نہ آئندہ ہوگی۔
- سب صحابہ اور آئمہ قابل احترام ہیں۔
- سب مجددوں کا ماننا ضروری ہے۔

فون نمبر: 35863260 مدیر: چوہدری ریاض احمد نائب مدیر: حامد رحمٰن رجسٹرڈ ایل نمبر: 8532
35862956
Email: centralanjuman@yahoo.com قیمت فی پرچہ -/10 روپے

| جلد نمبر 99 | 17 ذوالحجہ تا 16 محرم 4-1433 ہجری یکم نومبر تا 30 نومبر 2012ء | شمارہ نمبر 22-21 |
| --- | --- | --- |

ارشادات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

# سیّد الشہداء حضرت امام حسینؓ کا مقام، حضرت مجدد صد چہاردہم کی نظر میں

## ہم اس معصوم کی ہدایت کی اقتداء کرنے والے ہیں

’’میں اس اشتہار کے ذریعہ سے اپنی جماعت کو اطلاع دیتا ہوں کہ ہم اعتقاد رکھتے ہیں کہ یزید ایک ناپاک طبع، دنیا کا کیڑا اور ظالم تھا۔ اور جن معنوں کی رُو سے کسی کو مومن کہا جاتا ہے وہ معنے اس میں موجود نہ تھے۔ مومن بننا کوئی سہل امر نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے شخصوں کی نسبت فرماتا ہے: قالت الاعراب امنا قل لم تؤمنوا ولکن قولوا اسلمنا (49:14)۔ مومن وہ لوگ ہوتے ہیں جن کی اعمال ان کے ایمان پر گواہی دیتے ہیں۔ جن کے دل پر ایمان لکھا جاتا ہے اور جو اپنے خدا اور اس کی رضا کو ہر ایک چیز پر مقدم کر لیتے ہیں اور تقویٰ کی باریک اور تنگ راہوں کو خدا کے لئے اختیار کرتے ہیں۔ اور اس کی محبت میں محو ہو جاتے ہیں اور ہر ایک چیز جو بُت کی طرح خدا سے روکتی ہے خواہ وہ اخلاقی حالت ہو یا اعمالِ فاسقانہ ہوں۔ یا غفلت اور کسل ہو، سب سے اپنے تئیں دور لے جاتے ہیں۔ لیکن بدنصیب یزید کو یہ باتیں کہاں حاصل تھیں۔ دنیا کی محبت نے اس کو اندھا کر دیا تھا۔

مگر حسینؓ طاہر و مطہر تھا۔ اور بلاشبہ ان برگزیدوں سے ہے جن کو خدا تعالیٰ اپنے ہاتھ سے صاف کرتا ہے اور اپنی محبت سے معمور کرتا ہے اور بلاشبہ وہ سردارانِ بہشت میں سے ہے اور ایک ذرّہ کینہ رکھنا اس سے موجبِ سلبِ ایمان ہے۔ اور اس امام کا تقویٰ اور محبت اور صبر اور استقامت اور زہد و عبادت ہمارے لئے اسوۂ حسنہ ہے اور ہم اس معصوم کی ہدایت کی اقتداء کرنے والے ہیں جو اس کو ملی تھی۔ تباہ ہو گیا وہ دِل جو اس کا دشمن ہے اور کامیاب ہو گیا وہ دل جو عملی رنگ میں اُس کی محبت ظاہر کرتا ہے اور اس کے ایمان، اخلاق، شجاعت، تقویٰ اور استقامت اور محبت الٰہی کے تمام نقوش انعکاسی طور پر کامل پیروی کے ساتھ اپنے اندر لیتا ہے جیسا کہ ایک صاف آئینہ ایک خوبصورت انسان کا نقش۔ یہ لوگ دنیا کی آنکھوں سے پوشیدہ ہیں۔ کون جانتا ہے ان کی قدر مگر وہی جو انہی میں سے ہے۔ دُنیا کی آنکھ ان کو شناخت نہیں کر سکتی کیونکہ وہ دُنیا سے بہت دور ہیں۔ یہی وجہ حضرت حسینؓ کی شہادت کی تھی کیونکہ وہ شناخت نہیں کیا گیا۔ دنیا نے کس پاک اور برگزیدہ سے اس کے زمانہ میں محبت کی تا حسینؓ سے بھی محبت کی جاتی۔‘‘ (پیغام صلح یکم اگست ۱۹۸۹ء)

# حضرت بانی سلسلہ کا پیغام

# ہمارے نام

اللہ تعالیٰ کسی کی پرواہ نہیں کرتا، مگر صالح بندوں کی آپس میں اخوت اور محبت پیدا کرو اور درندگی اور اختلافات چھوڑ دو۔ ہر ایک قسم کے ہزل اور تمسخر سے مطلقاً کنارا کش ہو جاؤ۔ کیونکہ تمسخر انسان کے دل کو صداقت سے دُور کر کے کہیں کا کہیں پہنچا دیتا ہے۔ پس ایک دوسرے کے ساتھ عزت سے پیش آؤ۔ ہر ایک اپنے آرام پر اپنے بھائی کے آرام کو ترجیح دے۔ اللہ تعالیٰ کا غضب زمین پر نازل ہو رہا ہے اور اس سے بچنے والے وہی ہیں جو کامل طور پر اپنے سارے گناہوں سے توبہ کر کے اس کے حضور میں آتے ہیں۔

تم یاد رکھو کہ اگر اللہ تعالیٰ کے فرمان میں تم اپنے تئیں لگاؤ گے اور اس کے دین کی حمایت میں مشغول ہو جاؤ گے تو خدا تمام رکاوٹوں کو دور کر دے گا اور تم کامیاب ہو جاؤ گے۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ کسان عمدہ پودوں کی خاطر کھیت میں سے ناکارہ چیزوں کو اکھاڑ کر پھینک دیتا ہے اور اپنے کھیت کو خوشنما درختوں اور بارآور پودوں سے آراستہ کرتا اور ان کی حفاظت کرتا اور ہر ایک نقصان اور ضرر سے ان کو بچاتا ہے مگر وہ درخت اور پودے جو پھل نہ لائیں گلنے اور خشک ہونے لگ جائیں ان کی مالک پرواہ نہیں کرتا کہ کوئی مویشی ان کو آ کر کھا جائے یا کوئی لکڑہارا ان کو کاٹ کر تنور میں پھینک دے۔ سو ایسا ہی تم یاد رکھو کہ تم اللہ تعالیٰ کے حضور میں صادق ٹھہرو گے تو کسی کی مخالفت تمہیں تکلیف نہ دے گی، پر اگر تم اپنی حالتوں کو درست نہ کرو اور اللہ تعالیٰ سے فرمانبرداری کا ایک سچا عہد نہ باندھو تو پھر اللہ تعالیٰ کو کسی کی پرواہ نہیں، ہزاروں بھیڑیں اور بکریاں روز ذبح ہوتی ہیں ان پر کوئی رحم نہیں کرتا اور اگر آدمی مارا جائے تو اتنی باز پرس ہوتی ہے۔ سو تم اپنے آپ کو درندوں کے مانند بیکار اور لاپرواہ بناؤ گے تو تمہارا بھی یہی حال ہوگا۔ چاہیے کہ تم خدا کے عزیزوں میں داخل ہو جاؤ تا کہ کسی وبا یا آفت کو تم پر ہاتھ ڈالنے کی جرات نہ ہو سکے۔ کیونکہ کوئی بات اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر زمین پر نہیں ہو سکتی۔

ہر ایک آپس کے جھگڑے اور جوش وعداوت کو درمیان سے اٹھا دو کہ اب وہ وقت ہے کہ تم ادنیٰ باتوں سے اعراض کر کے اہم اور

**عظیم الشان**

کاموں میں مصروف ہو جاؤ''۔ (الحکم ۲۸ مئی ۱۸۹۸ء)

☆☆☆☆

# حج کا مقصد اندرونی پاکیزگی اور دنیاوی ہوا وحرص کی قربانی ہے

## (خطبہ عیدالاضحیٰ نومبر 2009ء فرمودہ حضرت امیر ڈاکٹر عبدالکریم سعید صاحب ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز)

**”کہہ بے شک مجھ کو میرے رب نے سیدھے راستے کی طرف ہدایت دی ہے۔صحیح دین، ابراہیم راست رو کے مذہب کی طرف اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھا۔ کہہ! میری نماز اور میری قربانی میرا جینا اور میرا مرنا اللہ کے لئے ہے جو جہانوں کا رب ہے۔اس کا کوئی شریک نہیں۔اور یہی مجھے حکم دیا گیا ہے۔اور میں سب سے پہلا فرمانبردار ہوں۔“**

یہ سورۃ الانعام کی آیات 161، 163 ہیں ۔ میں نے آپ کے سامنے مذکورہ آیات کی تلاوت اوران کا ترجمہ سنایا ہے۔آج کے اس عیدالاضحیٰ کے خطبہ کے لئے ان کا انتخاب میں نے اس لئے کیا ہے کہ میرے خیال میں اِن تین آیات میں آج کے اس خوشی کے دن کی روح یا باطن کے ہر پہلو کا اجمالی ذکر موجود ہے۔صبح اٹھتے ہی ہم عید کے ظاہری پہلو پر عمل شروع کر دیتے ہیں۔ نماز عید کے بعد ایک دوسرے کو عید مبارک کہتے ہیں ۔ ناشتے میں خاص شیرینیوں کا اہتمام، نئے نئے کپڑے، بچوں کے لئے عیدی۔قربانی کے بکرے اور پھران کو ذبح کرنے کی تیاریاں شروع ہو جاتی ہیں اور پھر تین دن تک یہ عید چلتی رہتی ہے۔ یہ صرف عید قربان کا ظاہر ہے۔لیکن اسلام میں عید کا منانا بھی عبادت کا ایک حصہ ہے۔اس کا اہم پہلو اور وہ خاص مقصد اس کا باطن اوراس کی روح ہے۔ جیسے اگر آپ کوئی پھل لیں تو اس کے باہر کا چھلکا بہت خوبصورت لگے گا لیکن جب اسی خوبصورت پھل کو آپ تھوڑا سا بھی زبان سے چکھیں تو آپ کو کڑوا لگے گا۔اور بعض اوقات اس کا صحت پر برا اثر پڑتا ہے۔ بلکہ بعض اوقات زہریلے پھل کھانے سے موت بھی واقع ہوسکتی ہے۔اس لئے جو پھل بظاہر اچھا نظر آتا ہے۔اس کا اندر اس کا بالکل الٹ بھی ہوسکتا ہے۔اس لئے انسان کو اللہ تعالیٰ نے جو عبادات سکھائی ہیں اسلام میں ان کے ہر ظاہر کے ساتھ ایک باطن پہلو بھی رکھا ہے۔اوراس تک پہنچ کر اس کے اصلی مقصد کو پانا زندگی کو کامیاب بنانا ہے۔عیدالاضحیٰ کا مقصد خالصتاً یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مکمل اطاعت میں سر جھکائے رکھنا، اس کے احکام کو مانتے رہنا اوراس پر عمل کرتے رہنا ہے۔ یہ اس کی اصلی روح اوراس کا مغز ہے۔اور دین اسلام کا مقصد جیسے کہ ہم روز سورت فاتحہ میں اهدنا الصراط المستقيم کی دعا مانگتے رہتے ہیں یہ ہے کہ ہم کو سیدھے راستے پر چلاتا رہ۔

اهدنا الصراط المستقيم ہدایت اللہ سے مانگنے کی نہایت عمدہ دعا ہے جس کی بدولت آپ کو اللہ تعالیٰ کے رحم اور کرم اوراس کی رہنمائی حاصل ہوتی ہے۔ یہ زندگی اللہ کی ایک نعمت ہے جو اس نے عطا کی ہے اس کو اس کی ہدایت کے مطابق گذارنا ہی ہمیں کامیابی کی طرف لے جاسکتا ہے۔

اگر ہم اِن آیات پر غور کریں تو اِن میں مکمل اطاعت کی بار بار تاکید کی گئی ہے۔اور یہ جو ہم ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ کو دہراتے ہیں اور ہدایت کے لئے دعا مانگتے ہیں تو اس میں قربت حاصل کرنے کی استدعا کرتے ہیں تاکہ اس راہ میں جو غلط خیالات اور بُرے اعمال رکاوٹ بن سکتے ہیں ان سے بچنے کی توفیق ملے اوراس طریق سے انسان کی زندگی کا مقصد پورا ہوسکتا ہے۔

آج ہم اللہ تعالیٰ کی راہ میں قابل رشک تابعداری اور عظیم قربانی کی یاد منا رہے ہیں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خدا کی راہ میں پیش کی۔ جنہوں نے قدم قدم پر شرک کو قوت ایمانی سے ٹھکرایا۔اس کامل اطاعت کا ذکر بھی ان آیات میں آتا ہے جس کی روشنی میں زندگی بسر کر کے ہی ہم مسلمان کہلانے میں حق بجانب ہوں گے ورنہ ہم صرف نام کے مسلمان رہ جاتے ہیں۔فرمانبرداری کا یہ اعلیٰ جذبہ تب ہی حاصل ہوگا جب آپ کی نماز ،آپ کی عبادات ،آپ کی

قربانیاں یہاں تک کہ آپ کا زندہ رہنا اسی جذبہ اطاعت کے تحت ہو۔ اور جب آپ پر موت آئے تو آپ اللہ کی کامل فرمانبرداری کی حالت میں ہوں۔ زندگی کا یہی رویہ آپ کی دنیاوی اور آخروی زندگی کو کامیاب بنائے گا۔ اسی کیفیت کو قرآن مجید ان الفاظ میں بیان کرتا ہے: ''تم نہ مرنا مگر اس حالت میں کہ تم فرماں بردار ہو'' (۱۳۲:۲)۔ یہ ایک مسلّم فضیلت ہے اور اس کو میں بار بار کہتا رہتا ہوں کہ موت کا وقت کسی کو معلوم نہیں۔ اس لئے انسان زندگی خدا کی اطاعت میں یوں گزارے کہ ہر چیز جو وہ کرنا چاہے خواہ وہ عبادات ہوں یا قربانیاں ہوں دل میں یہ جذبہ ہو کہ میں صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے کر رہا ہوں۔ اسی کا نمونہ حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسمٰعیلؑ اور حضرت ہاجرہ نے ان تین بزرگ ہستیوں نے خدا کی راہ میں کامل فرمانبرداری کا جو انمول نمونہ پیش کیا اور جس کا ذکر قرآن مجید نے ان الفاظ میں کیا ہے: ''میں جہانوں کے رب کا فرمانبردار ہوں'' (۱۳۱:۲)۔ اللہ تعالیٰ نے ان ہستیوں کو مشکل ترین امتحان میں ڈالا اور وہ اس پر پورا اترے۔ خواہ آگ میں ڈالے جانے کا خطرہ تھا اس سے وہ پیچھے نہ ہٹے۔ اولاد کو ذبح کرنے کا وقت آیا تو وہ ڈگمگائے نہیں۔ نہ باپ، نہ بیٹا اور نہ بیٹے کی ماں۔ باپ ابراہیمؑ نے اس امر کی زندہ مثال قائم کی کہ یہ زندگی اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی ہوئی چیز ہے جب وہ لینا چاہے تو اس کی راہ میں اسے قربان کرنے کے لئے تیار رہنا چاہیے۔ اس لحاظ سے پورے خاندان نے مل کر اطاعت کا کامل اور تاریخ ساز نمونہ ہمارے سامنے پیش کر دیا ہے۔ ہر مسلمان مرد ہو یا عورت، بچہ ہو یا جوان ہر ایک کے لئے یہ ایک ابدی نمونہ ہے۔ اس قربانی کے جذبے کو زندہ رکھنے کے لئے فریضہ حج ادا کیا جاتا ہے اور اس کے شکرانے کے طور پر عید منائی جاتی ہے۔ ہمیں چاہیے کہ فریضہ حج صرف مکہ کی زیارت تک ہی محدود نہ رکھیں بلکہ یہ ایک روحانی سفر ہے جس میں اپنی باطنی آلودگیوں کو صاف کر کے نیکی کے نئے عزم کے لئے ایک نئی روحانی قوت حاصل کرنا ہے اور اسی تبدیلی کا نام حج ہے۔ آج پاکستان کو خوفناک آزمائشیں درپیش ہیں۔ گھر گھر آزمائشیں اور ابتلائیں ہیں۔ معصوم لوگ بے دریغ مارے جا رہے ہیں۔ ہمارے دل ان کے غم سے مغموم ہیں۔ لیکن قربانیوں کا وہ کامل نمونہ جس کی یاد عید الاضحیٰ ہمیں دلاتی ہے ہمارے لئے صبر کا موجب ہے جو محض خدا کی راہ میں دکھایا گیا۔

اس تقریب کا مقصد یہ ہے کہ ہم اپنی زندگیوں کو اس نمونہ کے مطابق ڈھالیں۔ آج آپ نے نماز ادا کی اس کی اپنی اہمیت ہے۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کی عظمت کا تکبیروں سے اقرار کیا۔ آپ رب العالمین کی درگاہ میں سربسجود ہوئے۔ اگر آپ نمازیں حقیقی معنوں میں ادا کریں اور اس کی روح کو پالیں تو آپ اللہ تعالیٰ کو اپنے سامنے کھڑا پائیں گے۔ اگر کھڑا نہیں پاتے تو کم از کم اپنے ذہن میں یہ یقین رکھیں کہ وہ آپ کو دیکھ رہا ہے اور ایسی نماز ہماری روحانی ترقی کا باعث ہوگی۔ اسی طرح حج کا اصلی مقصد یہ نہیں کہ آپ نے مکہ کا سفر کیا اور کعبہ کا طواف کر لیا۔ میں یہ نہیں کہتا کہ اس میں کوئی اجر نہیں اور اس کے ذریعہ انسان کی روح پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ لیکن وہاں جانے کا مقصد تو یہ ہونا چاہیے کہ ہم اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے جا رہے ہیں اور جب وہاں سے لوٹ کر آئیں تو اس قرب کے روحانی اثرات کو ساتھ لے کر آئیں اور ان اثرات کو ضائع نہ ہونے دیں۔ ہمارے دل و دماغ میں حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ کا نمونہ اثر پذیر ہو اور جہاں کہیں ضرورت پڑے ہم اپنی جان کی، مال کی اور کسی بھی عزیز چیز کی قربانی کے لئے تیار ہو جائیں۔

اولیاء اللہ نے دو قسم کے حاجی بتائے ہیں۔ ایک ظاہری حاجی ہوتا ہے جو ارکان حج ادا کرتا ہے اور جب لوٹتا ہے تو اس کا شاندار استقبال ہوتا ہے اور پھر وہ حاجی صاحب کہلانے لگ جاتا ہے لیکن اس کے اندر ایک تکبر آ جاتا ہے اور جب اس کو کوئی حاجی صاحب کہہ کر نہ پکارے تو شاید اس کو وہ برا محسوس ہوتا ہے۔ اگر آپ حج کے موقع پر مکہ، مدینہ، عرفات اور منیٰ کے ٹی وی پر مناظر دیکھیں تو آپ دیکھیں گے کہ احرام باندھے ہوئے حاجی جب کبھی کیمرہ ان کے سامنے آتا ہے تو بے ساختہ ہاتھ ہلانے لگ جاتے ہیں اور مسکرا مسکرا کر کیمرہ کی طرف دیکھتے ہیں تا کہ لوگ ان کو طواف کرتے ہوئے دیکھ لیں۔ اگر روحانی جذبہ کی بجائے اپنی نمائش غالب ہو تو پھر تو وہ استغراق کی حالت نہ ہوئی۔ بلکہ اس میں اپنی

نمائش کا زیادہ خیال ہے۔یعنی اس انتہائی روحانی عبادت کے دوران آپ کو پورا انہماک حاصل نہیں اور آپ کا دھیان اللہ کی بجائے ذاتی نمائش کی طرف ہے۔

آپ نے دیکھا ہوگا کہ جب اسلام آباد جانے کے لئے موٹروے سے داخل ہوتے ہیں تو آپ کو ایک بہت بڑا سرخ بورڈ لگا ہوا نظر آئے گا جس پر لکھا ہے کہ کیمرہ کی آنکھ آپ کو دیکھ رہی ہے۔اس کی وجہ سے آپ موٹروے پر محتاط ہو کر چلتے ہیں کہ کہیں چالان نہ ہو جائے اور جرمانہ ادا کرنا پڑے۔اس بورڈ کی وجہ سے آپ کا دھیان اس ہونے والے نقصان کے خدشہ کی طرف رہتا ہے۔ اسی طرح اگر حج کے ذریعہ آپ کو یقین ہو کہ اللہ کی آنکھ ایک کیمرہ کی طرح آپ کو دیکھ رہی ہے تو آپ کے اندر ایسی تبدیلیاں آجائیں گی یا آجانی چاہئیں۔اس روحانی تربیت کے منازل حج کے ذریعہ مکمل ہونے تک اللہ تعالیٰ آپ کو دیکھ رہا ہے اور آپ کے افکار و کردار میں اس کا اثر نظر آنا چاہیے۔اس سلسلہ میں ایک معروف صوفی حضرت ابو یزیدؒ فرماتے ہیں: کہ ایک حاجی ان کے پاس حج کر کے آیا اور بڑے خوشی سے بتانے لگا کہ میں اب حاجی ہو گیا ہوں۔یہ گفتگو کافی لمبی ہے۔بحر حال وہ سوال پوچھتے جاتے اور وہ شخص جواب میں کہتا کہ یہ بھی نہیں کیا، یہ بھی نہیں کیا اور ہر مرتبہ حضرت فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ تمہارا حج نہیں ہوا۔پھر حضرت ابو یزیدؒ نے فرمایا: حج وہ ہوتا ہے کہ جب آپ اپنا گھر چھوڑتے ہیں کہ اب میں حج کو چلا ہوں تو ساتھ یہ عزم کر کے نکلیں کہ میں گناہ کی زندگی کو بھی پیچھے چھوڑ کے چلا ہوں۔اگر ایسی حالت نہیں ہے تو پھر آپ کا حج نہیں ہوا۔اور حج کے لئے سفر کرتے ہوئے جب آپ کو یہ پتہ چلے کہ آپ اب مکہ میں کعبہ شریف کے قریب آرہے ہیں اور آپ کے دل کی یہ کیفیت نہیں کہ آپ خدا کے قریب جا رہے ہیں تو پھر آپ میں کسی لحاظ سے کمزوری ہے۔ جب آپ نے حج کا ارادہ کیا اور ایک مقام پر پہنچ کر اپنے کپڑے جو دن رات آپ پہنتے ہیں ان کو اتار پھینکتے ہیں اور ان کی جگہ سفید احرام باندھ لیتے ہیں۔اس حالت میں اگر آپ کے ذہن میں یہ احساس پیدا نہیں ہوتا کہ کپڑے اتارنے کی طرح آپ نے اپنی تمام نفسانی خواہشات کو بھی ترک کر دیا ہے تو آپ کے حج کا مقصد پورا نہ ہوا۔اور اگر ہم عرفات میں کھڑے ہو کر خدا تعالیٰ کو حاضر نہیں پاتے تو بھی حج کا مقصد پورا نہ ہوا۔اسی طرح مزدلفہ میں عبادات کرنے کے اور آخر میں کعبہ کا الوداعی طواف کرنے کے باوجود آپ اپنے اندر روحانی خوبصورتی اور پاکیزگی پیدا نہ کر پائیں تو پھر بھی حج کمزور رہ گیا۔اور جب صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنے کے دوران آپ اپنے اندر اخلاقی بلندیوں کو حاصل کرنے کا عزم نہیں پاتے اور آپ کی اس کوشش کے اثرات آپ کے کردار میں نہیں تب بھی اس کی وجہ آپ کی اپنی ہی کمزوری ہے۔پھر منیٰ میں تو تمام خواہشات کا خاتمہ کر دینا ہوتا ہے۔اور اسی طرح قربانی کرتے ہوئے جب آپ ایک بے بس جانور پر چھری چلا رہے ہوتے ہیں۔اگر اس لمحہ آپ کے اندر یہ محکم عزم پیدا نہ ہو سکا کہ آپ اللہ کے ہر حکم پر بے چون و چراں عمل کریں گے تو بھی آپ کی قربانی کا مقصد پورا نہ ہوا۔بائیبل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے حواریوں کو بھیڑ کے ساتھ بار بار تشبیہ دیتے ہیں۔اس لئے کہ بھیڑ ایک معصوم اور انتہائی فرمانبردار جانور ہے جو چرواہے کی آواز پر بے اختیار چلا آتا ہے اور اپنے ریوڑ سے ادھر اُدھر نہیں ہوتا۔حج کے دوران شیطان کو کنکریاں بھی ماری جاتی ہیں۔اور حاجی بتاتے ہیں کہ وہاں لوگوں کو اس موقع پر اتنا غصہ آجاتا ہے کہ وہ ناروا قسم کی گالیاں بھی دے رہے ہوتے ہیں گویا کہ شیطان آج ان کے قابو میں آیا ہے اس کو ختم کر کے ہی دم لیں گے۔کیا ان کے دل میں جو شیطانی خیالات ہیں وہ ہر پتھر کے مارنے سے مر رہے ہوتے ہیں؟ اگر آپ نے حج کے تمام ارکان ادا کرنے کے ساتھ اپنے عزم کو پکا کر لیا ہے اور اس کے نتیجہ میں کردار اور افکار میں پاکیزگی اور خدا کی فرمانبرداری کا جذبہ رچ بس گیا ہے تو پھر یقیناً آپ برائیوں سے بچ جائیں گے اور نیکی میں ترقی کریں گے اور آپ نے صحیح معنوں میں حج کے مقاصد کو پا لیا۔

حج کے اسی باطنی روح کے پیش نظر حضرت ابو یزیدؒ نے فرمایا: میں نے تین حج کئے۔جب میں نے پہلا حج کیا تو مجھے صرف کعبہ نظر آیا۔جب دوسرا حج کیا تو مجھے کعبہ بھی نظر آیا اور اس کا مالک بھی اور جب تیسرا حج کیا تو مجھے

صرف مالک ہی مالک نظر آیا اور کوئی چیز نظر نہیں آئی۔ یہ وہ روحانی حالتیں ہیں جن سے حج اور دیگر عبادات میں انسان گزرتا ہے۔ رب بھی اپنی تخلیق کو مختلف مدارج سے گزار کر تکمیل کے درجہ تک پہنچاتا ہے۔ بندے اور خدا کے درمیان تعلق کی بھی کچھ ایسی میں صورت ہے۔ کبھی وہ دعا کو فوراً قبول کر لیتا ہے اور کبھی بندے کو آزماتا ہے۔ لیکن اس تعلق میں فرق یہ ہے کہ بعض اوقات بندہ خدا کی مصلحت کو سمجھ نہیں پاتا اور سمجھتا ہے کہ اس کی دعا قبول نہیں ہوئی لیکن ایک رنگ میں خدا بندے کے قرب کی حالت کے مطابق تعلق کو بدستور قائم رکھتا ہے۔ اسی لئے ایمان بالغیب کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور عید الاضحیٰ ہمیں کامل بھروسہ اور کامل فرمانبرداری کا سبق سکھلاتا ہے۔ ورنہ انسان الجھن میں رہتا ہے کہ یہ کیوں ہوگیا اور ایسا کیوں نہ ہوا۔ اسی لئے حضرت مولانا نور الدین صاحب فرماتے ہیں کہ خدا کو پانے کے لئے بندہ خود بننا چھوڑ دے۔ کسی نے پوچھا کہ انسان خدا کیسے بن جاتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جب بندہ چاہتا ہے کہ جو وہ چاہے وہ ہو جائے جیسے کے خدا کی صفت ہے کن فیکون ہے۔ یہ صورت بندہ کا خدا بننا ہے۔ اور جب انسان خدا بننا چھوڑ دے تو پھر اس کو خدا کو پہچاننے میں آسانی ہوتی ہے۔ بندہ صرف فرمانبرداری کے ذریعہ ہی خدا سے تعلق جوڑ سکتا ہے۔ رسولوں اور انبیاء میں بھی کامل اطاعت اور فرمانبرداری نمایاں نشاں ہوتے ہیں۔ اس لئے اگر حج خالصتاً کعبہ کے مالک کو پانے کے لئے کیا جائے اور جس حد تک وہ اس میں کامیاب ہوا تنا ہی اس کا حج کامیاب ہوگا۔ اللہ کے نزدیک وہی عبادت قبول ہوگی جو صرف اس کی خوشنودی کے لئے کی جائے۔ اسی لئے حضرت مرزا صاحب مجدد صد چہاردہم اور مسیح موعود نے ''کشتی نوح'' میں ایک عمدہ بات فرمائی: ''انسان کا اللہ کے ساتھ ایسا تعلق پیدا ہو جائے کہ اس کی عبادت نہ تو بہشت کی طمع اور نہ دوزخ کے ڈر سے ہو۔ کہ اگر بہشت نہ ہوتی اور نہ دوزخ ہوتی تب بھی اس کے اطاعت الٰہی میں، جوش، محبت اور کوشش میں کمی نہ آئے۔ جو انسان اس طمع یا لالچ میں نیکی یا قربانی یا دن رات عبادت کرے کہ فرشتے آئیں گے حوریں ملیں گی باغات اور نہریں ہوں گی اور دیگر عیش و عشرت کے سامان ہوں گے۔ تو جنت کا یہ ایک نہایت سطحی اور دنیاوی تصور ہوگا۔ جب ذہن سے ان غلط اور نام نہاد حسین تصورات کو نکال دیا جائے اور استقامت سے صراط المستقیم پر چلنے کی خدا سے استدعا کی جائے تو پھر آپ قرب الٰہی کے حقدار ہیں اور یہ وہ نمایاں فرق ہے جو ایک متقی کی عبادت اور زندگی بسر کرنے میں اور اُس انسان کے درمیان ہوتا ہے جو ظاہری عبادات میں لگا رہتا ہے اور اس کے باطن میں کوئی نمایاں تبدیلی پیدا نہیں ہوتی۔ اس سلسلہ میں لاہور کے نہایت معروف صوفی بزرگ حضرت علی ہجویری عرف داتا گنج بخش نے اپنی تصنیف ''کشف المحجوب'' میں لکھا ہے کہ حج دو قسم کا ہوتا ہے ایک خدا کو حاضر سمجھتے ہوئے اور دوسرا وہ جو خدا کی حاضری میں ہوتا ہے۔ اگر آپ مکہ میں حاضر ہوں لیکن آپ کے دل میں خدا حاضر نہ ہو۔ تو پھر مکہ میں ہونا اور گھر میں ہونا ایک جیسا ہی ہے۔ اور دوسرا خدا کی حاضری میں۔ جیسے کہ اگر آپ مکہ میں ہوں اور آپ کے دل میں خدا حاضر ہو یہ ایسی حالت ہے کہ جیسے آپ اپنے گھر میں ہیں لیکن آپ کا دل مکہ میں ہے۔ اور جو انسان حج پر نہیں جا سکتا یا کسی وجہ سے روکا گیا ہے لیکن دل میں اشد خواہش ہے کہ وہ حج پر جائے لیکن جب اس کے پاسپورٹ پر لاہوری احمدی یا قادیانی احمدی کا خانہ رکاوٹ بن جائے تو اس کا یہ نیک ارادہ گھر میں بیٹھ کر ایک حاجی کی طرح ثواب کما رہا ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کا دل گھر میں بیٹھ کر بھی خدا کی طرف لگا ہوا ہے۔ ہمیں بھی اللہ تعالیٰ توفیق دے کہ ہم یہاں بیٹھ کر بھی ان روحانی مراحل کو طے کرنے کی سعادت حاصل کر پائیں۔ ورنہ آج کی عید کی خوشیاں محض ایک ظاہری عمل ہوگا جو چند دنوں کے بعد ختم ہو جائے گا۔

آج ملک خطرناک حالات سے گذر رہا ہے۔ ہماری افواج اور خود پاکستان کو جو مشکلات ہیں، ہر ایک شہری غیر یقینی اور عدم تحفظ کا شکار ہے۔

ایسی خبریں دلوں کو پریشان اور اداس کر دیتی ہیں اور بظاہر حالات سدھرتے نظر نہیں آرہے۔ دشمن موقع سے بھرپور فائدہ اٹھا رہا ہے۔ ان نازک حالات اور کمزوری کی وجہ بے راہ روی اور باہمی انتشار ہے۔ اگر حج کے دوران ہم یہ سوچ رہے ہوں کہ میرے دائیں طرف کس فرقے کا انسان ہے یا میری بائیں طرف کالا ہے یا گورا ہے، مرد ہے یا عورت ہے۔ یہ سوچ رہے ہوں کہ میں کس قومیت کے شخص کے ساتھ اس وقت طواف کر رہا ہوں۔ سفر میں میرے ساتھ، میرے آگے اور پیچھے کون ہے تو آپ نے حج کے دوران مساوات اور ملی بھائی چارے کا جو تجربہ حاصل کیا۔ اس سے آپ نے کچھ نہ سیکھا۔ اگر ایسا ہوتا ہے کہ وطن واپس پہنچ کر جہاز سے اترتے ہی آپ کو پھر سے فرقے نظر آنے لگ جائیں اور ہم دوسری قوم کے لوگوں سے امتیاز برتنے لگ جائیں، دوسرے کو بلاوجہ دشمن سمجھنے لگ جائیں تو پھر حج کا مقصد تو حاصل نہ ہوا۔ میں دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ گھر میں بیٹھ کر ہم خدا کی یاد میں ایسے ڈوب جائیں کہ ہمیں اللہ کا قرب حاصل ہو جائے۔ میری یہ بھی دلی دعا ہے کہ ہم جب بھی کسی مقدس مقام پر جائیں تو وہاں جا کر اللہ کے قرب کی دعائیں کریں اور اپنے ملک کے لئے دعائیں کریں کہ اللہ تعالیٰ اسلام اور مسلمانوں پر جو حملے ہو رہے ہیں اس کے دفاع کی توفیق عطا فرمائے۔ ہمارے وطن پر جو حملے ہو رہے ہیں اور اس کو تباہ کرنے کی جو کوشش اور منصوبے بن رہے ہیں ان کو ناکام بنا دے۔ اور جو فرنٹ لائن پر جا کر اپنی جانیں دے رہے ہیں اور اس ملک کو بچانے کی خاطر جام شہادت نوش کر رہے ہیں ان کے گھر والوں کو ان کے رشتہ داروں کو صبر عطا فرمائے۔۔ اللہ ہماری جماعت کو ہر قسم کے خطرات سے محفوظ رکھے اور اس کو مٹانے کے منصوبوں کو ناکام بنا دے۔ جو بیمار ہیں اللہ ان کی بیماریوں کو دور فرما دے۔ جو تکالیف اور مالی مشکلات میں مبتلا ہیں اللہ تعالیٰ ان پر اپنا خاص فضل و کرم فرمائے۔

عیدالاضحیٰ قربانی کے جذبہ کو پیدا کرنے کی تربیت کا ایک موثر ذریعہ ہے اور جو احکام ہم بھول جاتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو یاد دلاتا ہے۔ اور سب سے اچھا ریفریشر کورس نماز قائم کرنا ہے جو دن میں کم از کم پانچ مرتبہ اللہ کے احکامات کی یاددہانی کراتی ہے۔ ''تم اللہ کو یاد کرو اور وہ تمہیں یاد رکھے گا اور تمہاری دعا قبول کرے گا'' حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا کہ تم اسے آسائش اور آرام کے وقت یاد کرو تا کہ وہ تمہیں مشکلات کے وقت یاد رکھے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس قابل بنائے کہ ہم اس کو ہر حال میں یاد رکھیں اور اس کی خوشنودی پیش نظر رہے۔ ہمارا کام دنیا کو اسلام کے امن کا پیغام پہنچانا ہے جس کی آج ہر کوئی شدت سے ضرورت محسوس کر رہا ہے۔ جس کو دیکھیں آج امن کو قائم کرنے کے لئے جہاد کا ذکر کر رہا ہے۔ آج سو سال کے بعد اس امن کی باتیں ہو رہی ہیں جس کی طرف سو سال قبل امامِ وقت نے بار بار توجہ دلائی تھی۔ آج تقاریر، سیمینار اور چینلز کے ذریعے قرآن کے پیغام کو پھیلانے کی کوشش ہو رہی ہے۔ علم و رواداری کے ذریعہ اسلام کی تبلیغ پر زور دیا جا رہا ہے۔ لیکن جب امامِ وقت نے اس علمی اور تبلیغی جہاد کا علم بلند کیا تھا تو ان کو جہاد کا منکر گردانا گیا تھا۔ لیکن آج تو یہ سچائی آہستہ آہستہ حقیقت کا روپ اختیار کر رہی ہے۔ اسلام کے خلاف زور آور حملوں سے اس زمانے کے امام کی تائید ہو رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ اسلام اور مسلمانوں میں اندرونی کمزوریوں اور باہم نفرتوں کو دور کرنے کا شعور پیدا کرے اور بیرونی ہاتھ جو خلفشار اور وسوسے پیدا کرنے کی کوشش میں ہیں ان سے محفوظ رکھے اور ہماری صفوں میں اتحاد اور یکجہتی پیدا کرے اور مذہبی جنونیت کی خطرناک روش سے باز رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

☆☆☆☆

# حضرت مولانا صدرالدین صاحب مرحوم ومغفور

## تحریر: ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب مرحوم ومغفور

۱۴اور ۱۵ نومبر کی درمیانی شب کو جماعت احمدیہ لاہور پر ایک بہت بھاری سانحہ گذرا۔ حضرت مولانا صدرالدین امیر جماعت اور حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے ساتھی تبلیغ دین کے سلسلہ میں طویل اور قیمتی خدمات بجالانے کے بعد اپنے مولائے حقیقی سے جاملے اور جماعت کو ایک ناقابلِ تلافی نقصان اور صدمہ سے دوچار کر گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ آپ احمدیہ انجمن لاہور کے بانیوں میں سے ایک تھے اور تین مئی ۱۹۱۴ء کو اس انجمن کے قیام کے سلسلہ میں جو پہلی مجلس معتمدین قائم ہوئی آپ اس کے رکن تھے۔

مجھے آپ کو ۱۴۔۱۹۱۳ء میں بڑے قریب سے دیکھنے کا موقع ملا کیونکہ آپ اس زمانہ میں تعلیم الاسلام ہائی سکول قادیان کے ہیڈ ماسٹر اور میں اس سکول کا طالب علم تھا۔ آپ کی پرکشش شخصیت کے جو گہرے اثرات اس مختصر سے عرصہ میں میرے دل ودماغ پر مرتسم ہوئے وہ آج تک نہیں مٹ سکتے اور نہ مٹ سکیں گے۔ میں اگر یہ کہوں کہ اس زمانے کا تعلیم الاسلام ہائی سکول جو آپ کی راہنمائی میں چل رہا تھا۔ اس زمانے اور اس زمانے کے انگلش میڈیم پبلک سکولوں کی نسبت کئی لحاظ سے بدرجہا بہتر تھا تو مبالغہ نہ ہوگا۔ آپ کا نظم وضبط مثالی تھا لیکن جہاں تک مجھے معلوم ہے آپ اپنے سکول کے کسی طالب علم سے کبھی سختی اور درشتی سے پیش نہیں آئے بلکہ ہر ایک یہی سمجھتا تھا کہ وہ میرے ہی شفیق اور مہربان باپ ہیں۔ آپ کو اپنے طلباء سے اس قدر پیار تھا کہ چھوٹے بچوں کے کھیلوں میں شامل ہو کر ان کی حوصلہ افزائی فرماتے۔ یہی وجہ تھی کہ سکول کی نصابی اور غیر نصابی سرگرمیوں کا معیار بہت بلند تھا۔ آپ سکول کے تمام عملہ اور طلباء کی صرف دینوی تربیت کا ہی اہتمام نہیں فرماتے تھے بلکہ ان کی اخلاقی اور دینی تربیت کا خاص خیال فرماتے تھے۔ سکول سے ملحقہ مسجد نور میں پانچوں نمازیں بالالتزام ادا کی جاتی تھیں اور عصر کے وقت حضرت مولانا نورالدینؓ کے درس قرآن میں شامل ہونے کے لئے طلباء قطار باندھ کر آتے تھے۔ حضرت مولانا مرحوم ومغفور کی شخصیت اور اس طرح کی تربیت کا ہی اثر تھا کہ اس سکول کی شہرت دور دور تک پھیل گئی اور علامہ اقبالؒ جیسے انسان نے اپنے بیٹے آفتاب احمد کو کسی پبلک سکول میں بھیجنے کی بجائے قادیان کے سکول میں بھیجنا پسند کیا۔ آفتاب احمد صاحب میرے ہم جماعت تھے۔ اس تربیت کا ایک ناقابلِ فراموش نظارہ کھیل کے میدان میں بھی دیکھنے میں آیا۔ ایک بار کھیلوں کا مقابلہ امرتسر میں منعقد ہوا۔ اس سرکل کی کھیلوں کا مقابلہ کہتے تھے۔ بہت سے سکول شریک ہوئے۔ ہاکی کا آخری مقابلہ قادیان سکول اور خالصہ ہائی سکول امرتسر کے درمیان ہوا۔ ہماری ہاکی کی ٹیم جیت گئی۔ جب آخری وسل کی تو ہمارے کھلاڑی میدان میں جہاں کہیں بھی تھے سب کے سب خدا کے سامنے سجدہ شکر میں گر گئے۔ تماشائیوں پر اس منظر کا بہت گہرا اثر ہوا۔ آج بھی ہماری قومی ہاکی ٹیم کے کھلاڑی بین الاقوامی میچوں میں کوئی فائنل میچ جیتتے ہیں تو وہ سجدہ شکر میں گر جاتے ہیں۔ یہ رسم بھی قادیان سے ہی چلی۔

ہم سب جانتے ہیں کہ حضرت مولانا مرحوم قرآن کریم بڑی خوش الحانی سے پڑھا کرتے تھے۔ سننے والوں پر اس کا ایک خاص اثر ہوتا تھا۔ خواہ وہ درس دیتے وقت پڑھتے یا تقریر سے پہلے اور خواہ نماز پڑھاتے وقت۔ قادیان میں طلباء بڑے اصرار سے آپ کو اس پر رضامند کرتے کہ عشاء کی نماز آپ پڑھائیں۔ آپ ان کے اس مطالبہ کو کبھی قبول کر لیتے اور ان کی خوشنودی کے لئے نماز پڑھا دیتے۔ ان کی قرات خواہ کتنی ہی مختصر کیوں نہ ہوتی قرآن کریم کے الفاظ دلوں میں اتر جاتے۔ اس رنگ میں آپ نے جماعت کے بچوں کی

تعلیم وتربیت میں جو کردار ادا کیا ہے اس میں آپ کا کوئی ثانی نہیں ۔ آپ کی خوش لباسی، خوش کلامی، نفاست وظرافت، طبع، جرات مندی، مہمان نوازی اور بے داغ بلند اخلاقی کی بدولت آپ کی شخصیت میں ایک خاص جاذبیت تھی۔ بلند اخلاقی اور اعلیٰ کردار کا یہ عالم تھا کہ جوانی کے عالم میں انگلستان اور جرمنی میں تبلیغ کے لئے تشریف لے گئے ۔ مردانہ حسن و وجاہت سے بھی اللہ تعالیٰ نے آپ کو نوازا تھا لیکن آپ نے اپنے دامن کو کبھی تر نہ ہونے دیا۔ یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہے ۔ ہمارے احمدیہ انجمن لاہور سے تعلق رکھنے والے بزرگوں کے اخلاق و کردار پر کسی کو کبھی انگلی اٹھانے کی جرات نہیں ہوئی ۔ وہ جہاں بھی گئے لوگوں کے سامنے اپنا پاک نمونہ چھوڑ کر آئے ۔ مغربی تہذیب کی حیا سوزی اور بے باکی انہیں متاثر نہ کرسکی ۔ برلن کی خوبصورت مسجد اور اس کا محل وقوع اور جرمن ترجمۃ القرآن آپ کی نفاستِ طبع کے منہ بولتے ثبوت ہیں ۔

مجھے آپ کی جرات مندی کے بھی دو تین واقعات یاد ہیں ۔ اوکاڑہ کے مربعوں سے قابض مزارعین کو بیدخل کرانے کا کام بھی انجمن نے آپ کے سپرد کیا تھا اور یہ آپ کی ہمت، حوصلہ اور جرات مندی کا نتیجہ تھا کہ انگریز ڈپٹی کمشنر کے ذریعہ زمینوں کا قبضہ آپ نے انجمن کو دلایا۔ اس سے بڑھ کر جواں مردی آپ نے ۱۹۳۵ء میں دکھائی جبکہ آپ عمر کے ایک ایسے حصے میں تھے جب انسان کے اعضاء مضمحل اور کمزور ہوجاتے ہیں اور جوانی کی وہ طاقت اور جوش باقی نہیں رہتا۔ ہر طرف فتنہ وفساد کا بازار گرم تھا۔ لوگ احمدیہ بلڈنگس کو تہ وبالا کرنے کے درپے تھے ۔ روز خطرناک خبریں سننے میں آرہی تھیں ۔ آپ کو بعض دوستوں نے مشورہ دیا کہ آپ اپنی حفاظت کی خاطر کسی اور جگہ چلے جائیں یہاں آپ کے لئے بہت خطرہ ہے۔ آپ نے جواب میں فرمایا: ''ہم یہیں مریں گے یہیں جئیں گے ۔ اس مقام کو چھوڑ کر کہاں جائیں ۔ زندگی اور موت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے'' ۔ اللہ نے بڑے معجزانہ طور پر آپ کی حفاظت فرمائی ۔ نہ صرف آپ کی بلکہ ساری احمدیہ بلڈنگس کی ۔ اسی طرح ۱۹۷۴ء میں ہوا آپ کو اپنے موقف کی صداقت پر پورا یقین تھا اس لئے آپ اپنے مقام سے نہ ملے۔

آپ ایک نہایت خوش بیان مقرر بھی تھے۔ خصوصاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر جب آپ بولتے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے واقعات اپنے مخصوص انداز میں بیان فرماتے تو سامعین پر ایک سحر طاری ہوجاتا۔ سیرت نبویؐ آپ کا خاص موضوع تھا۔ اور اس موضوع کو نبھانے میں آپ کی نظیر دیکھنے میں نہیں آئی۔ ایک بار حضرت مولانا محمد علیؒ نے بھی آپ کی تعریف فرماتے ہوئے کہا کہ:

''اللہ تعالیٰ نے مولوی صدرالدینؒ صاحب کو سیرت پر تقریر کرنے کا ایک خاص ملکہ عطا فرمایا ہے اور یہ ان کا ہی حصہ ہے''۔

جلسہ سالانہ کے موقع پر احمدیہ بلڈنگس میں جو درس آپ ہر سال دیا کرتے تھے وہ بھی بڑے پُر تاثیر اور دلوں میں اترنے والے ہوتے تھے۔ ایک دفعہ ڈاڈر سینی ٹوریم میں جہاں میں سپرنٹنڈنٹ تھا آپ تشریف لائے۔ ہم نے وہاں آپ کے اعزاز میں تقریب منعقد کی جس میں سینی ٹوریم کا سٹاف کافی تعداد میں مریض اور دیگر لوگ شامل ہوئے۔ آپ نے اس مجمع کو مخاطب کرتے ہوئے ہستی باری تعالیٰ پر جو تقریر کی اس سے سارے حاضرین بہت متاثر ہوئے اور دیر تک اسے یاد کرتے رہے۔

تبلیغ دین کے سلسلہ میں آپ نے جو نمایاں خدمات انجام دی ہیں وہ بھی ناقابل فراموش ہیں۔ حضرت خواجہ کمال الدین صاحبؒ جب ووکنگ مشن مشن میں دوسال کام کرنے کے بعد واپس تشریف لائے تو ان کی جگہ حضرت مولانا صدرالدین صاحبؒ کو وہاں بھیجا گیا اور آپ نے اس کام کو بطریق احسن جاری رکھا۔ آپ غالباً ۱۹۱۶ء میں واپس آئے۔

۱۹۱۷ء میں انجمن نے مسلم ہائی سکول قائم کیا اور اس کے ساتھ سینئر کیمبرج کی کلاسیں بھی کھولیں تو مولانا مرحوم کو اس کا پرنسپل بنایا کیونکہ آپ نے قادیان میں جو کام کیا تھا اس کے پیش نظر آپ سے زیادہ موزوں آدمی ہمیں نہیں مل سکتا تھا۔ آپ کی زیرنگرانی سکول اور کالج اس قدر نیک نام ہوا کہ معزز ترین خاندانوں کے چشم و چراغ جو بڑی آسانی سے چیفس کالج میں داخلہ لے سکتے

تھے یہاں آکر داخل ہوئے مثلاً نواب گورمانی مرحوم سابق گورنر پنجاب، سید امجد علی شاہ سابق وزیر خزانہ، جناب سید مراتب علی شاہ صاحب کے صاحبزادگان اسی درس گاہ کے طالب علم رہ چکے ہیں۔اس سکول کے نظم وضبط اور اعلیٰ تعلیمی معیار کو دیکھتے ہوئے مسٹر کراس نے جو سکول کے اچانک معائنہ کے لئے آئے تھے یہ ریمارکس دیئے۔

"I came to surprise the school but i find myself surprised"

ترجمہ:''میں تو اس سکول کے اچانک معائنہ کے لئے آیا تھا لیکن اسے دیکھ کر میں خود ہی حیران رہ گیا''۔

اسی سکول کے ایک سابق طالب علم جناب عاشق حسین بٹالوی جو بعد میں مشہور ادیب اور مصنف بنے اور پنجاب میں مسلم لیگ کے سیکرٹری بھی رہے ہیں۔وہ احمدی نہیں ہیں لیکن لکھتے ہیں کہ:

''احمدیت کی فضا میں زمانہ طالب علمی کی جو کیفیت دل پر نقش ہوئی وہ مٹنے میں نہیں آتی۔بورڈنگ (مسلم ہوسٹل) میں رہتے تھے۔صبح سویرے مرحوم اکبر شاہ خان نجیب آبادی قرآن کا درس دیتے تھے۔سکول لگنے پر مولانا صدر الدین حدیث کے مختصر سے سبق سے آغاز کرتے تھے۔پچھلے پہر احمدیہ بلڈنگس کا رُخ کرتے تھے وہاں مولانا محمد علی صاحبؒ کا درس قرآن ہوتا تھا۔بھلا یہ نقش کبھی مٹ سکتا ہے''۔(حوالہ پیغام صلح ۶ جون ۱۹۶۲ء)

۱۹۱۹ء میں حضرت مولانا صدرالدین صاحبؒ ووکنگ مشن کے کام کے لئے دوبارہ تشریف لے گئے ۔۱۹۲۲ء میں انجمن نے برلن میں تبلیغ اسلام کے لئے مشن قائم کرنے کا فیصلہ کیا تو مولانا صدرالدین صاحبؒ دسمبر ۱۹۲۲ء میں وہاں تشریف لے گئے۔آپ تین چار سال تک وہاں تبلیغ اسلام کا کام سرانجام دیتے رہے۔وہاں آپ نے جرمن زبان میں ایک رسالہ ''مسلیمشن ریویو'' جاری فرمایا جس کے اعلیٰ پایہ کے مضامین کی وجہ سے اعلیٰ طبقہ کے عام فاضل جرمن اسلام لے آئے۔جرمنی میں اپنے قیام کے دوران میں آپ نے ایک شاندار مسجد تعمیر کی جو فن تعمیر کا ایک نادر نمونہ اور مغربی برلن کا زیور ہے۔اس فن تعمیر میں آپ کے اعلیٰ ذوق کا بھی پتہ چلتا ہے۔یہ مسجد آپ کی نفاستِ طبع کا ایک اعلیٰ نمونہ اور یادگار ہے۔تبلیغ کے سلسلہ میں جرمنی میں آپ کو جن مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑا ان کا بھی آپ نے بڑی پامردی اور استقامت کے ساتھ مقابلہ کیا۔ایک اجنبی ملک اور تنہا انسان نہ دوست اور نہ رشتہ دار اور نہ کوئی مددگار ایسے حالات میں مشکلات کا مقابلہ کرنا اور ثابت قدمی دکھانا بڑی جرات اور اللہ تعالیٰ کی ہستی پر کامل یقین کی وجہ سے ہوسکتا ہے۔

۱۹۲۸ء میں انجمن نے جب قرآن کریم کا ترجمہ جرمن زبان میں کرانے کا فیصلہ کیا تو اس عظیم خدمت کا بھی آپ نے ہی اہتمام کیا۔یہ ترجمہ ۱۹۳۸ء میں چھپ کر تیار ہوگیا۔

جرمنی سے واپس آنے کے بعد آپ نے مختلف حیثیتوں میں انجمن کے لئے قابلِ قدر خدمات سرانجام دیں۔مدت تک انجمن کے نائب صدر رہے اور ۱۹۵۱ء میں حضرت مولانا محمد علیؒ کی وفات کے بعد جماعت کے امیر منتخب ہوئے اور آخری سانس تک اس کے قائد رہے۔اس عرصہ کے دوران آپ نے مجدد صد چہاردہم ہال اور احمدیہ مارکیٹ نمبر ۱، نمبر ۲ تعمیر کرائیں۔جن سے انجمن کی آمدنی میں متعدبہ اضافہ ہوا۔یہ عمارتیں بھی آپ کی محنت اور ہمت کی ناقابلِ فراموش یادگار ہیں۔

آپ کی وفات سے جماعت کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا ہے اور آپ کی جدائی کو بڑی شدت سے محسوس کیا گیا ہے۔اللہ تعالیٰ آپ کو اپنی قربت سے نوازے اور جنت الفردوس میں داخل فرمائے۔آمین۔

جماعت احمدیہ کے لئے آپ نے جو خدمات انجام دیں ان کی وجہ سے ان کی یاد ہمارے دلوں میں ہمیشہ قائم رہے گی اور ہم انہیں کبھی نہ بھول سکیں گے۔(پیغام صلح ۱۶ تا ۲۳ دسمبر ۱۹۸۱ء)

☆☆☆☆

# حضرت امیر ڈاکٹر سعید احمد خان مرحوم و مغفور

از: پروفیسر اعجاز احمد صاحب

پاکستان کے شمال مغربی صوبہ سرحد کے ضلع مانسہرہ میں ایک خوبصورت پہاڑی گاؤں دیبگراں ہے۔ یہاں ایک بڑی ولی اللہ شخصیت مدفون ہے جن کا نام محمد سعید تھا۔ ان کے دو بیٹے تھے، ایک کا نام محمد یحییٰ اور دوسرے کا نام محمد یعقوب تھا۔ انہوں نے بعد میں حکمت کا پیشہ اپنایا اور حکیم کہلائے۔ یہ دونوں بزرگ اپنے والد مکرم کی طرح انتہائی نیک اور متقی تھے۔

جب اس زمانے کے مجدد اعظم حضرت مرزا غلام احمد صاحب نے دعویٰ کیا اور مختلف سعید روحوں کو تبلیغی خطوط لکھے اور لٹریچر بھیجا، ان میں حکیم محمد یحییٰ بھی تھے۔ انہیں حضرت اقدس نے اپنی کتب ''آئینہ کمالات اسلام'' اور ''حمامتہ البشریٰ'' کے پیکٹ پر اپنے ہاتھ سے لکھا یا یحی خذ الکتب بالقوۃ (یعنی اے یحییٰ اس کتاب کو مضبوطی سے پکڑ)۔ اس سے پہلے ان کے والد محمد سعید صاحب نے حکماً یحییٰ صاحب سے انگوٹھی بنوائی اور اس پر یہی آیت لکھوائی۔

بعد میں چھوٹے بھائی حکیم محمد یعقوب نے بھی احمدیت قبول کر لی۔ بس پھر کیا تھا دیبگراں، ہزارہ مینۃ الاحمدیت بن گیا۔ حضرت اقدس کے روحانی تصرف اور ان بزرگوں کے تقویٰ کی وجہ سے گاؤں کی کافی آبادی نے احمدیت قبول کر لی۔ اس اثر کے تحت مختلف گاؤں جیسے داتہ، پکھی وغیرہ سیٹلائٹ بنے۔ بعد میں ان دو بھائیوں کے ساتھ ساتھ سعید احمد صاحب نے انصار کا بخوبی کردار ادا کیا۔ کیونکہ اس علاقہ میں جتنے لوگوں کو احمدیت یا کسی اور مجبوری کی وجہ سے اپنا گھر بار چھوڑ کر ہجرت کرنی پڑی تو یہ بزرگ انہیں نہ صرف مکان مہیا کرتے بلکہ ان کے بچوں بچیوں کی تعلیم یا ملازمت کا بھی انتظام کرتے۔ آپ کے چچا یعقوب صاحب تو تعلیم کے حد درجہ شوقین تھے۔ ان بزرگوں کے حالات یادرفتگان حصہ اول میں موجود ہیں۔ احباب کے ایمان میں اضافہ کی غرض سے حکیم محمد یعقوب صاحب کا ایک واقعہ اختصار سے بیان کرتا ہوں۔

حکیم محمد یعقوب صاحب نہایت رقیق القلب تھے۔ نمازوں میں خاص کر تہجد کی نماز میں بہت رویا کرتے تھے۔ اسے دیکھ کر حضرت اقدس بھی متاثر ہوئے۔ آپ نے حکیم صاحب سے فرمایا کہ نواب بھی تمہاری جوتیاں سیدھی کرنے کو اپنی عزت سمجھیں گے۔ چنانچہ اس کے کچھ عرصہ بعد ریاست کے دربار میں حکیم صاحب تشریف لے گئے۔ جا کر دربار میں بیٹھ گئے تو نواب صاحب نے آپ کو دربار سے اٹھا کر اپنے ساتھ تخت پر بٹھایا۔ پھر جب آپ دربار سے باہر جانے لگے تو نواب صاحب نے واقعتاً آپ کی گرد آلود جوتیاں اپنے ہاتھ سے سیدھی کر کے آپ کے سامنے رکھیں۔ حضرت مرزا صاحب کی اس پیشگوئی کے پورا ہونے پر حکیم محمد یعقوب صاحب رو پڑے۔ پوچھنے پر نواب صاحب کو ساری بات بتائی تو وہ بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے اور انہوں نے اس وقت اچھی خاصی رقم انجمن کو چندہ کے لئے دی۔

ان بزرگوں کو اللہ تعالیٰ نے نہایت ہی نیک اور صالح اولاد بخشی۔ حکیم محمد یحییٰ صاحب کی ایک صاحبزادی اور ایک صاحبزادہ تھے۔ صاحبزادی کا نام نور جہاں تھا جبکہ صاحبزادہ کا نام حضرت اقدس نے سعید احمد رکھا تھا۔ سعید احمد کو بچپن ہی سے انتہائی پاکیزہ ماحول میسر آیا۔ اس لئے آپ عام دنیاوی آلائشوں سے محفوظ رہے۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ اس بچے سعید احمد کو دو نہایت ہی مقتدر ہستیوں یعنی والد اور چچا کی نیم شب دعاؤں سے بہت حصہ ملا۔ یہ دونوں کے نور نظر تھے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ انہیں آٹھ سال کی عمر میں حضرت

اقدس کے ہاتھ پر بہ نفس نفیس قادیان جا کر بیعت کرنے کا بھی شرف حاصل ہوا اور حضرت مسیح موعودؑ کے ساتھ ایک ہی پلیٹ میں کھانا کھانے کا بھی اعزاز ملا۔

پھر بعد میں جناب حضرت حکیم مولانا نورالدینؓ کے زمانہ میں قادیان رہ کر تعلیم بھی حاصل کی۔ اس زمانہ میں حضرت مولانا صدر الدین صاحب قادیان کے سکول میں بطور استاد تعلیم دیا کرتے تھے۔

عملی زندگی میں سعید احمد صاحب نے ڈاکٹری کا پیشہ اپنایا اور یوں مریضوں کے مسیحا ہوگئے۔ بعد میں آپ کو ڈاڈر سینی ٹوریم کا بانی انچارج بنا دیا گیا۔ اس زمانہ میں ٹی بی ایک انتہائی مہلک بیماری ہوتی تھی۔ اس لئے مریضوں کو علاج کے لئے الگ تھلگ صحت افزا مقامات پر بنے ہسپتالوں میں رکھا جاتا تھا۔ جب آپ نے چارج سنبھالا تو وہاں ہو کا عالم تھا۔ نہایت ہی ویرانی تھی۔ لیکن پھر آپ کے جذبہ ایثار اور خدمت خلق کی سچی لگن نے اس جنگل کو آباد کر دیا۔ نئے نئے وارڈوں کا اضافہ ہوا۔ گورنمنٹ نے مزید ڈاکٹروں اور نرسوں کی کھیپ بھیج دی لیکن اس جسمانی مسیحا میں کوئی تو ایسی مقناطیسی کشش تھی کہ وارڈوں کے وارڈ بنے اور بھر گئے۔ حتیٰ کہ خیمے لگا کر مریضوں کو وہاں رکھا جاتا۔ کیونکہ اس عجیب شخص کی زبان پر نہ کا تو لفظ ہی نہ تھا کہ ایک بیمار آئے اور یہ اس سے کہیں کہ بھئی جگہ نہیں۔ ہسپتال کے آؤٹ ڈور کے علاوہ ہسپتال سے ان کی رہائش گاہ کے درمیان چیڑ کے درخت آؤٹ ڈور ہوا کرتے تھے۔ جب آپ ڈیوٹی دے کر واپس جاتے تو راستہ میں ان بے چارے مریضوں کو دیکھتے ہوئے جاتے۔ ٹی بی کے مریضوں کو کئی کئی مہینے یا سال علاج کے لئے سینی ٹوریم میں رہنا پڑتا۔ گھر سے زندگی سے مایوس، ہمت ہارے ہوئے زرد رو مریض سینی ٹوریم پہنچتے تو یہ مسیحا ان میں پھر سے ایک نئی امنگ امید پیدا کر دیتا کہ زندگی پھر سے سہانی نظر آنے لگتی۔ بعض مریضوں نے اپنے حالات و واقعات قلم کی نذر کئے ہیں۔ جنہیں پڑھ کر ایسا لگتا ہے کہ کوئی فرشتہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے انسانیت کی خدمت کے لئے انسان بنا کر ڈاڈر بھیجا ہے۔ مس چیمہ کا ''جلتے بجھتے دیپ'' اور نثار عزیز کی کتاب ''نگری نگری پھرا مسافر'' قابل ذکر ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ جیسے اللہ نے کسی فرشتہ کو انسانی لباس پہنا کر دنیا کی خدمت کے لئے مامور کیا ہے۔ خدا تعالیٰ کی ایک صفت شافی ہے اور اس خدا کا فضل دیکھیں کہ آپریشن پر آپریشن ہو رہے ہیں۔ ان میں ''تھے کو پلاسٹی'' جیسے آپریشن (جس میں پسلیاں کاٹ کر پھیپھڑوں کا علاج کیا جاتا ہے) بھی شامل ہیں۔ لیکن کوئی مریض آپریشن ٹیبل پر نہیں مرا۔

صرف جسمانی مسیحائی نہیں کی۔ چبوترا بنایا گیا۔ وہاں نماز باجماعت ہوتی۔ مغرب کے بعد عشاء تک درس قرآن، درس حدیث اور ملفوظات سنائے جاتے۔ بہتر صحت والے مریض اپنی مرضی سے شامل ہوتے۔ اس جنگل میں اللہ اکبر کی گونج کیا ہی پرعظمت ہوتی ہوگی۔ ان درسوں نے کئی مریضوں اور دیگر حاضرین کو آدھا احمدی بنا دیا اور بعض تو پکے احمدی بن گئے۔ ان میں سے ایک میرے والد مکرم اصغر علی صاحب بھی تھے۔ جنہوں نے بعد میں حضرت مولانا محمد علیؒ کے ہاتھ پر بیعت کی۔

انہی خدمات کے صلہ میں حکومت برطانیہ نے آپ کو خان بہادر کے خطاب سے نوازا۔ پھر حکومت پاکستان نے ستارہ خدمت دیا۔ اس کے علاوہ دو دفعہ آپ کو ریٹائرمنٹ کے بعد ملازمت میں توسیع دی گئی۔ جوانی کے زمانہ میں حضرت مسیح موعودؑ کے طفیل خدا نے آپ کو بہت عزت سے نوازا تھا۔ وزراء وارڈوں کے افتتاح کرنے کے لئے آتے تو بجائے اس کے کہ خود فیتہ کاٹیں وہ آپ سے فیتہ کٹواتے۔ مغربی پاکستان کے وزیر صحت خداداد خان نے کہا کہ ''ڈاکٹر صاحب وزارت تو آنی جانی چیز ہے اصل بات تو دوستی ہے''۔

ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب نے ریٹائر ہونے کے بعد ایبٹ آباد میں سکونت اختیار کی۔ یہاں بھی آپ کی مصروفیات خدمت انسانی اور مذہبی تعلیم تھیں۔ حالانکہ سعودی عرب کے فرمانروا نے آپ کو شاہی طبیب کی ملازمت کی پیشکش کی تھی لیکن آپ نے سوچا کہ اس غریب ملک کے غریب علاقہ میں کتنے ڈاکٹر ہیں؟ چنانچہ آپ نے یہ پیشکش قبول نہ کی۔ یہاں بھی آپ کی شہرت دور

دور تک تھی۔ لوگ دوسرے شہروں اور ضلعوں سے بھی علاج کے لئے آپ کے پاس آتے۔ جو مریض فیس نہ دے سکتے۔ ان سے فیس کا تقاضا نہ کرتے۔ بلکہ غریب اور احمدی مریضوں کو اپنے پاس سے دوائیں دیتے۔ اس کے علاوہ خوراک کے لئے کئی دفعہ پیسے بھی دیتے۔ ان کے کلینک کے نیچے ایک کمرہ تھا جہاں اکثر دُور سے آنے والے مریضوں کو کھانا کھلایا جاتا۔ اس کے علاوہ مذہبی مصروفیات جاری رہیں۔ نماز و درس کا سلسلہ چلتا رہا۔ ۱۹۶۲ء تک ایبٹ آباد میں شیخ محمد احمد صاحب مرحوم کے گھر احمدی احباب نماز پڑھا کرتے۔ پھر آپ نے اپنی رہائش گاہ سے ملحق زمین کا ایک ٹکڑا مسجد کیلئے وقف کر دیا۔ پہلے نچلا حصہ بنوایا۔ بعد میں ذاتی کاوش، احباب کے چندے اور مرکزی انجمن کی اعانت سے اوپر والا حصہ بمع مہمان خانہ تعمیر کروایا۔ جن احباب نے یہ مسجد دیکھی ہے وہ اس کی خوبصورتی کے معترف ہیں۔ آپ کا وجود اور یہ جامع ضلع ہزارہ میں احمدیت کا مرکز بن گیا۔ بلکہ اس مسجد نے جماعت کے Summer Campus کا بھی کردار ادا کیا۔ ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب نے پہلے پہل گرمیوں کی چھٹیوں میں حضرت امیر مولانا صدرالدین صاحب کی اجازت سے تربیتی کلاس کا انعقاد ایبٹ آباد میں کیا۔ اس تربیتی کلاس کو بڑا سراہا گیا اور جماعت کے بڑے بڑے بزرگ جیسے حضرت امیر مولانا صدرالدین صاحب، ڈاکٹر اللہ بخش صاحب، محترم نصیر احمد فاروقی صاحب، مرزا مسعود بیگ صاحب اور پروفیسر خلیل الرحمٰن صاحب نے اس تربیتی کورس میں بھرپور کردار ادا کیا۔

۱۱ جون ۱۹۷۴ء تک یہ رونقیں جاری رہیں۔ پھر ۱۱ جون ۱۹۷۴ء کا اندوہناک واقعہ پیش آیا۔ جس میں ایبٹ آباد اور ہزارہ کے احمدیوں کے لئے بڑا کٹھن امتحان تھا۔ صرف ایبٹ آباد ہی میں احمدی احباب کے میڈیکل سٹور جلانے کے لئے پوری کی پوری جمال بلڈنگ کو جلا کر راکھ کر دیا گیا۔ اس کے علاوہ ایک احمدی بھٹی صاحب کے گھر ہجوم نے حملہ کر کے انہیں شہید کرنے کے بعد سرعام میت کی بے حرمتی کی۔ جب بھٹی صاحب کے صاحبزادے شدید زخمی ہوئے۔ ان ہزار ہا بلوائیوں کا اصل نشانہ ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب تھے۔ ہزاروں شرپر جو بندوقوں، سٹین گنوں اور دیگر اسلحہ سے لیس تھے، نے آپ کے کلینک وغیرہ جلانے کے بعد آپ کے گھر کا بالائی حصہ بھی جلا دیا۔ اس دوران خدا کی شان کہ صرف آپ کے داماد فیروز عالم صاحب گولی لگنے سے زخمی ہوئے۔ جبکہ انوار احمد صاحب اور آپ کی ملازمہ سرور جان ماسی کو بھی چھرے لگے۔ باقی اللہ کی حفاظت رہی آگ اور سینکڑوں بندوقوں کے گھیرے کے باوجود کسی کا بال بھی بیکا نہ ہوا۔ اس سارے اثناء میں ڈاکٹر سعید احمد صاحب کی توجہ مسجد کی طرف ہی رہی اور بار بار اونچی آواز میں دعا کرتے یا اللہ اپنے گھر (مسجد) کو محفوظ رکھنا اور اللہ نے اپنے بے پایاں قدرت سے نہ صرف اپنے گھر بلکہ اس میں عبادت کرنے والے سب کو محفوظ رکھا اور اس طرح سے سید اسداللہ شاہ صاحب کا آپ کے متعلق الہام "ہم نے تجھے اور تیرے اہل کو آگ سے نجات دی" پورا ہوا۔ ایک اور بڑا خوبصورت اتفاق کہ آپ کے ساتھیوں کی تعداد ۷۲ تھی جو کہ حضرت امام حسین کے نہتے ساتھیوں کے برابر تھی۔

اس کے بعد جماعت کے بزرگوں کے بار بار اصرار پر آپ نے لاہور میں مرکزی انجمن میں کام شروع کیا اور آپ کو انجمن میں سینئر نائب صدر اور انچارج بلا دغیر چنا گیا۔ اس طرح آپ دارالسلام میں قیام پذیر ہوئے۔ آپ نے اس پیرانہ سالی میں دوسرے ممالک کے کئی دورے کئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے دوروں کو بہت برکت بخشی۔ باہر کے ممالک میں احمدیہ انجمن لاہور کے نام سے جماعتوں کو رجسٹر کروایا۔ جماعتوں کے چھوٹے چھوٹے اختلافات کو ختم کر کے نئی جہت دی۔ لندن میں جماعت کے لئے مرکز کی اشد ضرورت تھی۔ اللہ کے فضل سے آپ نے سعی کی۔ یہاں ہم سے مسجدیں چھنتی جائیں اور جلائی گئیں لیکن باہر کے ممالک میں اللہ اکبر کی صدا بلند کرنے کے لئے مسجدیں قائم ہوتی رہیں اور آپ نے بھی بعض مساجد کا افتتاح کیا۔ سرینام کی جامع مسجد فن تعمیر کا خوبصورت نمونہ ہے۔ اسی طرح امریکہ کی جماعت کو متحرک کیا جو کہ اب حضرت اقدس کے مشن کو آگے بڑھانے میں کوشاں ہے۔ احمدیہ لٹریچر اور قرآن پاک کا ترجمہ مختلف زبانوں میں کروا کر

پھیلایا جارہا ہے۔ انہیں آپ کی براہ راست سرپرستی آخر وقت تک حاصل رہی اور اللہ کے فضل سے ہسپانوی، فرانسیسی، روسی، انڈیا اور جرمن زبانوں میں قرآن کریم کے تراجم ہو چکے ہیں۔ مزید کئی تراجم کے لئے سعی جاری ہے۔ اللہ اس کام میں بہت برکت ڈالے۔ آمین

نومبر ۱۹۷۲ء میں حضرت امیر مولانا صدرالدین صاحب کی وفات کے بعد جماعت نے آپ کو بالاتفاق رائے اپنا امیر چنا۔ اس منصب پر آپ اپنی وفات تک فائز رہے۔

اب میں اپنے مضمون کے دوسرے حصہ کی طرف آتا ہوں۔ جس میں نہایت اختصار سے چند چیدہ واقعات والہامات درج کروں گا۔

حضرت امیر ''کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج کے غالباً آخری سال میں تھے۔ آپ کی کوئی خاص تیاری نہ تھی۔ خاص کر ایک مضمون میں تو بہت ہی کمزور تھے۔ کیونکہ ان دنوں آپ کی صحت کافی عرصہ خراب رہی تھی انہی دنوں ڈاکٹر اللہ بخش صاحب جو کہ آپ کے ساتھ ہی میڈیکل کالج میں پڑھتے تھے اور آپ کی تیاری کا سن کر کہا **لیس الانسان الاما سعی** یعنی انسان کو وہی ملتا ہے جس کے لئے وہ محنت کرے اور کہ اللہ انہونی کو ہونی نہیں کرتا۔ آپ اس تبصرہ پر بڑے آزردہ ہوئے اور چھت پر جا کر رو رو کر دعا کی پھر بعد میں اپنے چچا کو تفصیلی خط میں دعا کی درخواست کی ادھر جیسے ہی چچا کو خط ملا انہوں نے دعا شروع کر دی اور ساتھ ہی روزے رکھنے شروع کر دیئے جو کہ انہوں نے ۳ ماہ تک متواتر رکھے۔ پھر اللہ کی طرف سے بشارت ملی۔ **ایدناہ بروح القدس** یعنی ہم نے اس کی (سعید احمد) روح القدس سے تائید کی۔ آپ کو خط کے ذریعہ اس کی اطلاع دی گئی تو آپ نہایت پرسکون ہو گئے۔ چنانچہ جب امتحان کے بعد نتیجہ نکلا تو آپ سارے مضامین میں پاس ہو گئے۔ اس طرح اللہ نے اپنی کمال قدرت سے انہونی کو ہونی کر دکھایا۔

حضرت امیر مولانا محمد علی صاحب سے آپ کو عشق کی حد تک پیار تھا۔ جب اکتوبر ۱۹۵۱ء میں حضرت امیر کی وفات ہوئی تو آپ اس وقت سٹاک ہوم، سویڈن میں تھے بعد ازاں بحری جہاز میں سفر کے دوران اس جدائی کا آپ کی طبیعت پر بے حد اثر تھا۔ آپ حضرت مولانا کی وفات پر بہت روئے۔ بتاتے تھے کہ تین دن تک آنکھوں سے جھڑی رکتی ہی نہ تھی۔ اس جہاز میں سویڈن پولیس کا چیف بھی سفر کر رہا تھا۔ آپ کو اس طرح روتا دیکھ کر اس نے وجہ پوچھی۔ جس پر آپ نے تفصیل سے حضرت مولانا کی وفات کا بتایا۔ اس پر وہ نہایت درجہ اداس ہو گیا اور کہا وہ عظیم شخص فوت ہو گیا ہے۔ میں انہیں جانتا ہوں۔ میرے پاس ان کا انگریزی ترجمہ القرآن بھی ہے اور میں اسے پڑھتا ہوں۔

حضرت امیر مولانا صدرالدین صاحبؒ سے حضرت امیر کو بہت لگاؤ تھا اور ان کی خوبیوں کے معترف تھے۔ جب حضرت مولانا علیہ رحمتہ کو سپرد خاک کر کے ہم واپس آئے تو میں جان جی کو چھوڑنے ان کے گھر گیا تو آپ نے نہایت اداسی میں فرمایا: ''آج ایک درویش متقی بہت ساری نیکیاں کمانے کے بعد ہم سے جدا ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

قاضی عبدالاحد صاحب جو صالحہ ظہور احمد لائبریری کے انچارج اور جامع دارالسلام کے پیش امام تھے نے بتایا کہ ایک دفعہ ایبٹ آباد میں حضرت امیر نے ان سے کوئی بات کہی جو کہ قاضی صاحب کو ناگوار گذری۔ بعد میں جب حضرت امیر کو پتہ چلا تو آپ ان کے گھر تشریف لے گئے اور باقاعدہ ان سے معافی مانگی۔ حضرت امیر مرحوم کے اس عالی ظرف سے قاضی صاحب آبدیدہ ہو جاتے۔

وفات سے کچھ سال پہلے حضرت امیر بہت بیمار ہوئے۔ احباب نے بہت دعائیں کیں۔ دارالسلام میں ایک صاحب نے رویا دیکھا کہ ایک بہت ہی مقدس عمارت ہے۔ خواب میں ہی سمجھ آتی ہے کہ یہ حضرت امیر ڈاکٹر سعید احمد صاحب ہیں۔ اور انوار احمد صاحب بالکل چمٹ کر اس عمارت کے ساتھ بیٹھے ہوئے ہیں۔ جبکہ خواب دیکھنے والے صاحب سائیکل پر اس عمارت کا طواف کر رہے ہیں۔ اور واقعی انوار صاحب نے اس مقدس ہستی کی ایسی بے

لوث خدمت کی جو کہ اپنی مثال آپ ہے۔اسی طرح سرینام سے ایک صاحب جو کہ حج پر جانا چاہتے تھے مگر بوجوہ تذبذب میں تھے۔اسی اثنا انہوں نے خواب دیکھا کہ حضرت امیر مرحوم درمیان میں کھڑے ہیں اور وہ صاحب ان کے گرد طواف کررہے ہیں۔اس کی یہ تعبیر کی گئی کہ جماعت کے لئے بڑھ چڑھ کر کام کرنا حج کرنے جیسا ہے۔

۱۹۸۴ء میں ضیاء الحق کے آرڈیننس کے زمانہ میں جماعت کے لئے حالات بہت خراب ہوگئے تھے۔انہی دنوں ربوہ جماعت کے خدام الاحمدیہ کے ناظم واصف صاحب دارالسلام آئے اور اصرار کیا کہ وہ حضرت امیرؒ سے ملنا چاہتے ہیں۔حضرت امیر سومؒ سے انہیں ملوایا گیا تو وہ بولے کہ حضرت! آج کل حالات بہت خراب ہیں۔اس لئے ہم چاہتے ہیں کہ آپ کی حفاظت کا خطرخواہ انتظام کیا جائے اور آپ کے لئے خدام کے گارڈ پہرہ دیا کریں۔اس پر حضرت امیرؒ نہایت پرسکون انداز میں مسکرائے اور فرمایا آپ کا بہت بہت شکریہ۔ ہمارے لئے اللہ کی ہی حفاظت کافی ہے۔(اور یہ بات ریکارڈ میں رہے کہ ہمارے کسی بھی امیر کا کبھی کوئی گارڈ نہیں رہا۔سوائے اللہ کے) خیر بعد میں کسی موقع پر پتہ چلا کہ انہیں دنوں حضرت امیر نے رویا دیکھا تھا کہ ان کے گھر کے ساتھ گراؤنڈ میں ایک کشتی ہے۔جو مانند کشتی نوح ہے جو کوئی اس میں سوار ہوگا وہ محفوظ رہے گا۔یہ کشتی دراصل احمدیت کی کشتی تھی۔

ایک دفعہ آپؒ نے رویا دیکھی کہ آپ دارالسلام میں سیکرٹری ہاؤس کی مسجد والی طرف کھڑے ہیں اور آپ کے ساتھ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی کھڑے ہیں۔کسی جلسہ کا موقع ہے اور لوگ جوق در جوق آتے جارہے ہیں۔حتیٰ کہ ہجوم اتنا بڑھ جاتا ہے کہ کھڑے کھڑے سارے ہجوم کو نہیں دیکھا جاسکتا۔تب آپ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں سیکرٹری ہاؤس کی چھت پر کھڑے ہوجاتے ہیں تاکہ آنے والے لوگوں کو دیکھ سکیں۔(اللہ وہ دن دکھلائے کہ یہ جماعت واقعتاً مخلص اور سعید روحوں میں اتنی ترقی کرے۔آمین) اسی طرح کا ایک الہام سید اسداللہ شاہ صاحب کا بھی ہے۔فی دین اللہ افواجا۔

وفات سے کچھ ہفتہ پہلے رویا دیکھی کہ دنیا میں ہر طرف آگ ہی آگ ہے۔تب آپ کو بتلایا گیا کہ ہم نے دارالسلام کو تیری برکت سے آگ سے محفوظ رکھا ہوا ہے۔

حضرت سید اسداللہ شاہ صاحب مرحوم و مغفور کو بہت کثرت سے الہامات و کشوف ہوا کرتے تھے۔جن کو شاہ صاحب سنا دیتے تھے لیکن لکھ کر ریکارڈ نہ رکھتے تھے۔اس پر حضرت امیر جان جیؒ نے بہ اصرار ان سے الہامات لکھنے کی درخواست کی۔تب سے شاہ صاحب کی وفات تک فقط کچھ سالوں میں شاہ صاحب کے الہامات کی تین کاپیاں بن گئیں۔حضرت شاہ صاحب کے حضرت امیر سوم کے متعلق بھی مختلف الہامات ہیں۔شاہ صاحب نے حضرت امیر کی وفات سے قریباً ۴۰ برس پہلے وفات پائی۔اور آپ اس الہام میں حضرت امیر سومؒ کی عمر ۹۷ کو اپنے خالق حقیقی سے جاملے۔اناللہ وانا الیہ راجعون۔

میں تو الحمدللہ ہی کہوں گا۔کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں حضرت امیر سومؒ جیسی نعمت کو کتنے لمبے عرصہ تک ہمیں دیے رکھا۔یہ محض مولا کریم کا فضل ہے کہ ایک ایسی ہستی کی صحبت کا فیض پانا ہمیں میسر آیا۔اس میں کوئی شک نہیں کہ ایسی عظیم ہستیاں کبھی کبھی دنیا کو ملتی ہیں۔میں تو ایک دنیادار آدمی تھا بلکہ اب بھی ہوں لیکن حضرت امیر کی پرشفقت شخصیت نے غیر محسوس طریقہ سے مجھے دین کے رستہ پر ڈال دیا۔اگر میں اس کا حق نہ ادا کرسکوں تو یہ میری سستی اور کاہلی ہوگی۔میں ایسے کئی اور خواتین واحباب کو جانتا ہوں جن کی زندگی میں حضرت امیر نے احمدیت کا جوش اور ولولہ بھردیا۔اللہ ہمیں حضرت مسیح موعود کے نقش قدم پر چل کر دین اسلام کو دنیا کے کونے کونے میں پہنچانے کی توفیق عطا کرے اور حضرت امیر کے درجات کو بلند سے بلندتر ہی کرتا جائے۔آمین

☆☆☆☆

# مقام مجدّد اور تجدید و احیائے دین

تحریر: ملک بشیر اللہ خان راسخ

حدیث نبویؐ کے مطابق ہر صدی کے سر پر مجدّد آوے گا اور مختلف روحانی ہستیاں دین اسلام کی صداقت کو از سر نو ثابت کریں گی۔ جب لوگ فسق و فجور میں پڑ جاتے ہیں اور روحانیت ختم ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندے کو مجدد بنا کر مبعوث کرتا ہے جو دین حق کا دفاع کرتا اور اس کی تجدید کرتا ہے۔ لوگوں کو فسق و فجور سے نکالتا ہے۔ مذاہب باطلہ کے اعتراضات کے جواب دیتا ہے اور لوگوں کے ایمان و یقین کو بڑھاتا ہے۔ خدا تعالیٰ اس مجدد کی سیرت و کردار کو آلودگیوں سے محفوظ رکھتا ہے، اس کو قرآن و سنت کا ایک خاص فہم عطا کرتا ہے، اس کی دعائیں قبول کرتا ہے اور نشانات دیتا ہے۔

مجدد اعظم حضرت مرزا غلام احمد مجدّد صد چہاد ہم وہ مرد خدا جس کا بے مثال نمونہ آئندہ وقتوں تک قائم و دائم رہے گا۔ تکمیل ہدایت کو پایہ تکمیل تک بذریعہ تبلیغ و اشاعت جس طرح امام علیہ السلام نے پہنچایا وہ آنے والے مجدد دین کے لئے نمونہ ہے۔ اسلام کو سب سے زیادہ خطرہ عیسائیت سے رہا ہے اور بدستور ہے کیونکہ مسلمانوں کی حالت بہت زوال پذیر ہے۔ قرآن کریم پر مکمل عمل سے ہی مکمل انسان اور مسلمان بن سکتا ہے۔ اسلام کے عروج و زوال میں مسلمانوں کا خود بڑا ہاتھ ہے۔ جسے تمام دنیا کے مسلمان بخوبی جانتے ہیں۔ برصغیر میں بھی مسلمانوں کی جو حالت تھی اور مختلف مذاہب کے ماحول اور رنگینیوں کے جال میں مسلمان بُری طرح پھنسے ہوئے تھے جن کے اثرات ہماری معاشرتی زندگی پر بہت حد تک حاوی تھے اور برصغیر میں وقت کے ساتھ جو اولیاء اللہ پیدا ہوئے ان کی مثال نہیں ملتی اور لاکھوں انسانوں کو سچائی کی روشنی سے منور کیا، انہی اولیاء اللہ میں ایک برگزیدہ انسان خداوند کریم نے ایسے وقت میں اس دھرتی ہندوستان پر اتارا جس کی اشد ضرورت تھی اور بہت سے مخالفین حق، عیسائی، آریہ سماج، برہمو سماج اور دھریہ لوگوں کا اک سیلاب مسلمانوں کے خلاف بہہ رہا تھا اور مسلمانوں کے دین کی کشتیوں کو غیر مذاہب کے لوگ اس سیلاب میں ڈبو دینا چاہتے تھے مگر جب مرد خدا کشتی کو سنبھال لے تو دنیا کا کوئی سیلاب ہچکولے نہیں دے سکتا۔ اس دور میں بھی مسلمانوں کی حالت کیا ہے لمحہ فکریہ ہے۔ آپس کے فروعی اختلافات میں انتشار کا شکار ہیں اور ایک دوسرے کا قتل کر دینا جائز سمجھتے ہیں۔ اتحاد اور یگانگت نام کی کوئی چیز باقی نہیں، مسلم قومیں فسق و فجور میں ڈوبی ہوئی ہیں۔ ہر مسلمان صبح تو عشاء اپنی کارکردگی پر رات سوتے وقت حقیقت سے نظر دوڑائے تو گریبان خود گواہی دے دے گا۔

اس وقت یہ خودکش حملے، مساجد پر امام بارگاہوں پر، مجالس پر خطبات جمعہ پر اور مصروف مقامات پر قتل و غارتگری کا جو بازار گرم ہے اور خون کی ندیاں بہائی جا رہی ہیں۔ کیا خاتم النبین و خاتم المرسلین احمد مجتبےٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآنی تعلیمات کا اور رب کائنات کے احکامات کا تمسخر اڑایا نہیں جا رہا۔ غیر مذاہب یہ سب نظارے دیکھ کر لطف اندوز ہو رہے ہیں اور مزید اپنے ہتھیار مختلف انواع کے استعمال کر کے مسلمانوں کی جڑیں کھوکھلی کر رہے ہیں۔

یہی وہ خرابیاں ہیں جس وجہ سے مخالفین اسلام کبھی امہات المومنین جیسی بدنام زمانہ کتابیں لکھ کر، کبھی شیطانی آیات جیسی بیہودہ اور شرمناک کتابیں لکھ کر اور کبھی میرے ماں باپ ان پر قربان ہوں، میرے پیارے رسول حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبین و خاتم المرسلین کے مضحکہ خیز خاکے بنا کے اور کبھی بیان جاری کر کے اور کبھی ناموس رسالت اور اسلام دشمن فلمیں بنا کر مسلمانوں کا جس طرح مذاق اڑا رہے ہیں اور دین کو بدنام کر رہے ہیں یہ سب ہماری کمزوریاں ہیں۔

کسی بھی مخالف اسلام کے سر کی قیمت لگانے سے طوفان غلاظت نہیں رُک سکتا یہ ایک اور تشدد کا راستہ اور پیغام ہے۔ سلمان رشدی، ٹیری جونز اور دیگر مصنفین نے کتابیں لکھ کر جو اعتراضات کئے ہیں ان کا سدباب سر قلم کر دینے سے کبھی نہیں ہوسکتا کیونکہ یہ بدبخت تو اپنی موت بھی مر کر واصل جہنم ہوویں گے مگر ان کی تحریرات کا کم از کم ۴۵ کے قریب اسلامی ممالک میں سے کون مردِ مجاہد ہے جو جواب دے گا۔

موجودہ دور میں سربراہانِ مملکت اسلامیہ نہ تو اولیاء ہیں نہ ہی مجدد دین ہیں۔ ان سب مخالفین اسلام کا مقابلہ ہندوستان، پاکستان اور عالم اسلام میں بڑے بڑے نامور علماء، مجتہد، مفتی کریں، مناظرہ کریں، مباحثہ کریں۔

جانے وہ کیسے لوگ تھے جن سے خداوند کریم کو پیار تھا جنہوں نے ایسے بدبختوں کو ہر میدان میں اپنے اپنے وقت میں شکست دی، وہ کون تھے چودھویں صدی میں مسلمان بھی خوب جانتے تھے اور مجدد صد چہاردہم کے ماننے والے بھی جانتے ہیں۔

خداوند کریم نے چودھویں صدی کے سر پر دنیا میں پھیلے ہوئے فتنوں کے لئے ایک مجدد بھیجا اور ہر ایک مجدد کا خداوند کریم کے نزدیک بھی ایک خاص نام ہوتا ہے جیسا کہ ایک شخص کوئی کتاب تالیف کرتا ہے تو اس کے مضامین کے مناسب حال اس کتاب کا نام رکھ دیتا ہے۔ ایسا ہی خداوند کریم نے چودھویں صدی کے مجدد کا نام خدمات مفوضہ کے مناسب حال مسیح رکھا کیونکہ یہ بات مقرر ہو چکی تھی کہ آخرالزمان کے صلیبی فتنوں کی اصلاح مسیح کرے گا۔ پس حضرت مرزا غلام احمد قادیانی کا نام مسیح موعود رکھا گیا اور دنیا پر یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ کسر صلیب کی خدمت آپ کے سپرد کی گئی۔ اب مجدد صد چہاردہم کا مقام دیکھیں، کام دیکھیں، کردار دیکھیں تو ''مجدد کا مقام'' دنیا کو سمجھ میں آجاوے گا اور نادانوں کو بھی سمجھ آجاوے گا۔

مسیح موعود علیہ السلام حضرت مرزا غلام احمد قادیانی فرماتے ہیں:

''میری حالت جو ہے خداوند کریم خوب جانتا ہے اس نے مجھ پر اپنی کامل برکتیں نازل کی ہیں اور اتباع نبویؐ میں ایک گرم جوش فطرت بخش کر مجھے بھیجا ہے کہ تا حقیقی متابعت کی راہیں لوگوں کو سکھلاؤں اور ان کو علمی اور عملی ظلمت سے باہر نکالوں جو بوجہ کم توجہی ان پر محیط ہو رہی ہے۔ میں اس بات کا دعویٰ نہیں کرتا کہ میری روح میں کچھ زیادہ سرمایہ ''علوم کسبیہ'' ہے بلکہ میں اپنی کم لیاقتی کا سب سے زیادہ اور سب سے پہلے اقرار کرتا ہوں لیکن ساتھ اس کے میں اس اقرار کو بھی مخفی نہیں رکھ سکتا کہ میرے جیسے اُمی کو خود خداوند کریم نے اپنے کنارِ قربیت میں لے لیا ہے۔ اور ان سچی حقیقتوں اور کامل معارف سے مجھے آگاہ کر دیا ہے کہ اگر میں تمام غور و فکر کرنے والوں سے زیادہ غور و فکر کرتا رہتا اور باایں ہمہ ایک لمبی عمر بھی پاتا تب بھی ان حقائق اور معارف تک ہرگز نہ پہنچ سکتا۔ میں اس مولیٰ کریم کا اس وجہ سے بھی شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے ایمانی جوش اسلام کی اشاعت میں مجھ کو اس قدر بخشا ہے کہ اگر اس راہ میں مجھے اپنی جان بھی فدا کرنی پڑی تو میرے پر یہ کام بفضلہٖ تعالیٰ کچھ بھاری نہیں۔

اگرچہ میں اس دنیا کے لوگوں سے تمام امیدیں منقطع کر چکا ہوں مگر خدا تعالیٰ پر میری امیدیں نہایت قوی ہیں۔ سو میں جانتا ہوں کہ اگرچہ میں اکیلا نہیں ''وہ مولیٰ کریم میرے ساتھ ہے'' اور کوئی اس سے بڑھ کر مجھ سے قریب تر نہیں، اسی کے فضل سے مجھے یہ عاشقانہ روح ملی ہے کہ دُکھ اٹھا کر بھی اس کے دین کے لئے خدمت بجالاؤں اور اسلامی مہمات بشوق و صدق تمام تر انجام دوں۔ اس کام پر اس نے آپ مجھے مامور کیا۔ اب کسی کے کہنے سے میں رُک نہیں سکتا اور نہ نعوذ باللہ اس کے الہامی احکام کو بہ نظیر استخفاف دیکھ سکتا ہوں بلکہ اس مقدس حکموں کی نہایت تکریم کرتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ میری ساری زندگی اس خدمت میں صرف ہو۔ درحقیقت خوش اور مبارک زندگی وہی زندگی ہے جو الٰہی دین کی خدمت اور اشاعت میں بسر ہو۔ ورنہ اگر انسان ساری دنیا کا بھی مالک ہو جائے اور اس قدر وسعت معاش حاصل ہو کہ تمام عیش جو دنیا میں ایک شہنشاہ کے لئے ممکن ہیں وہ سب حاصل ہوں پھر بھی وہ عیش نہیں بلکہ ایک قسم کا عذاب ہے جس کی تلخیاں کبھی ساتھ ساتھ اور کبھی بعد میں کھلتی ہیں۔

مجدّ دصد چہاردہم کے ذمہ صرف تجدید دین اور کسرِ صلیب کا ہی کام نہ تھا بلکہ تکمیل اشاعت کا کام بھی تھا جو مزکی النفس جماعت کا متقاضی تھا۔

مجدّ دصد چہاردہم حضرت مرزا صاحب نے کسر صلیب کے معنی جہاں عیسائیت کے عقائد اور دجل کا قلع قمع کرنا کے لئے ہیں وہاں مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ میں کسر صلیب کے معنی یہ بھی سمجھتا ہوں کہ ''انسان اپنا تزکیہ نفس کر کے اپنے عمل اور کردار سے فریب خوردہ شاہینوں کے صلیبی عقائد سے مسخ شدہ دلوں کو درست کرے۔

حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد حیات میں تمام وہ متفرق ہدایتیں جو حضرت آدم علیہ السلام سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک تھیں قرآن شریف میں جمع کی گئیں۔لیکن مضمون آیت **قل یا ایھا الناس انی رسول اللّٰہ الیکم جمیعاً** کی کامل اشاعت اس پر موقوف تھی کہ تمام ممالک مختلف ایشیاء، یورپ اور افریقہ اور امریکہ سب تک پیغام ہدایت پہنچے لیکن اس زمانہ میں ذرائع وسائل نہ تھے۔لیکن قرآن شریف کا فرمانا ہے کہ ''تبلیغ کرو'' یہ امید دلاتا تھا کہ ابھی اور بہت سے لوگ ہیں جن تک تبلیغ قرآنی نہیں پہنچی۔اب یہی آیت **وآخرین منھم لمایلحقوبھم** اس بات کو ظاہر کررہی تھی کہ گو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں ہدایت کا ذخیرہ کامل ہو گیا تھا مگر ابھی اشاعت باقی ہے اور اس آیت میں منہم کا جو لفظ ہے وہ ظاہر کررہا ہے کہ ایک شخص اس زمانہ میں جو تکمیل اشاعت کے لئے موزوں ہے ''مبعوث'' ہوگا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رنگ میں ہوگا۔غرض اس میں کسی کو متقدمین اور متاخرین میں سے کلام نہیں کہ اسلامی اقبال کے زمانہ کے دو حصے کئے گئے ہیں ایک تکمیل ہدایت کا زمانہ اور دوسرا تکمیل اشاعت کا زمانہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرض تھا کہ بوجہ ختم نبوت، تکمیل ہدایت کریں۔ایسا ہی بوجہ عموم شریعت یہ بھی فرض تھا کہ تمام دنیا میں تکمیل اشاعت بھی کریں لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اگرچہ تکمیل ہدایت ہوگئی۔

لیکن اس وقت تکمیل اشاعت غیر ممکن تھی اور غیر زبانوں تک دین پہنچانے کے لئے اور پھر اس کے دلائل سمجھانے کیلئے اور پھر ان لوگوں کی ملاقات کے لئے کوئی احسن انتظام نہ تھا اور تمام دیار بلاد کے تعلقات ایسے ایک دوسرے سے الگ تھے کہ گویا ہر ایک قوم یہی سمجھتی تھی کہ ان کے ملک کے بغیر اور کوئی ملک نہیں اور جیسا کہ ہندو بھی خیال کرتے تھے کہ کوہ ہمالیہ کے پار کوئی ملک نہیں، آبادی نہیں اور نیز سفر کے ذریعے بھی سہل اور آسان نہیں تھے اور جہاز کا چلنا بھی بادشرط پر موقوف تھا۔اس لئے خدا تعالیٰ نے تکمیل اشاعت کو ایک ایسے زمانہ پر ملتوی کردیا جس میں قوموں کے باہم تعلقات پیدا ہوگئے اور بری اور بحری ایسے مرکب نکل آئے جن سے بڑھ کر سہولت اور سواری کی ممکن نہیں اور کثرت مطابع نے تالیفات کو ایک ایسی شیرینی کی طرح بنادیا جو دنیا کے تمام مجمع میں تقسیم ہوسکے۔

اب چونکہ ذرائع موجود ہیں اور اشاعت اسلام کا موقع بھی موجود ہے اس لئے اللہ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام امام الزماں اور ان کی جماعت کے ذمہ یہ کام لگا دیا۔

مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

''میرے پیارے دوستو میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ مجھے خدا تعالیٰ نے سچا جوش دے کر آپ لوگوں کی ہمدردی کے لئے بھیجا ہے اور ایک سچی معرفت آپ صاحبوں کی زیادت ایمان وعرفان کے لئے مجھے عطا کی گئی ہے''اس معرفت کی آپ کو اور آپ کی ذریت کو نہایت ضروری ہے سو میں اس لئے کھڑا ہوں کہ آپ لوگ اپنے اموال طیبہ سے اپنے دینی مہمات کے لئے مدد دیں اور ہر ایک شخص جہاں تک خدا تعالیٰ نے اس کو وسعت دی، طاقت ومقدرت دی ہے اس راہ میں دریغ نہ کرے اور اللہ تعالیٰ سے اپنے اموال کو مقدم نہ سمجھے۔

آپ کے سامنے ایک عظیم الشان جہاد کا کام تھا ''جہاد بالقرآن اور تبلیغ اسلام'' دونوں ہم معنی جملے ہیں۔

اب تجدید دین کیا ہے اور مجدد وقت کا مشن کیا ہوتا ہے اور خداوند کریم کس مقصد کے لئے مجدد دین کا انتخاب کرتا ہے اور کس طرح سے اس کو دنیاوی

آلائشوں سے محفوظ رکھ کر مقام مجدد و محدث عطا کرتا ہے۔اب دیکھنا یہ ہے کہ مجدد وقت تو آ گیا تھا اور وہ کام کر گیا کہ اب مزید کوئی نہ کر سکے گا کیونکہ دنیا کا یہ آخری ہزارواں سال ہے

مجدد صد چہاردہم کا فرمان ہے کہ ''اب مجدد جو بھی آوے گا میری جماعت میں سے ہوگا'' اب دیکھنا اور سمجھنا ضروری ہے کہ مجدد صد چہاردہم نے تجدید دین، تبلیغ اسلام، اور جہاد بالقرآن کو کس طرح پایہ تکمیل تک پہنچایا۔اور احمدیت نے ان دونوں خیالات کو کہاں تک زندہ کیا۔کیونکہ خداوند کریم نے یہ بھی فرمادیا ہے کہ سلسلہ احمدیہ میں نے خود قائم کیا ہے۔جماعت احمدیہ خداوند کریم کی آخری جماعت ہے۔مجدد وقت کا آنا اس وقت جبکہ مسلمان غافل پڑے تھے اور مسلمان اس عظیم الشان طاقت سے جو برنگ قرآن ان کو دی گئی تھی دور جا پڑے تھے۔مجدد وقت نے انہیں بیدار کیا اور احمدیت کا دور شروع ہوا۔اور مسلمانوں کو سمجھایا کہ ''اسلام کی اصل طاقت جہاد بالقرآن میں ہے''

''جہاد ہر ایک مسلمان پر فرض ہے، ہر حال میں فرض ہے''

''صف دشمن کو کیا ہم نے بحجت پامال
سیف کا کام قلم سے دکھایا ہم نے''

مگر وہی جہاد عام ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ ہر حال میں کرتے تھے۔یہ احمدیت کا سب سے پہلا اور سب سے بڑا کام ہے۔اس کے پیش نظر مجدد وقت کو ایک متقی، پرہیز گار، صالح احباب کی ضرورت تھی تا کہ ایک جماعت قائم ہو۔

اگر احمدیت کی غرض صرف اصلاحی امور تک ہوتی تو یہ غرض بذریعہ تحریرات بھی حاصل ہوسکتی تھی جو آہستہ آہستہ مسلمانوں کے خیالات میں تبدیلی پیدا کر دیتی مگر امر واقع یہ ہے کہ یہ اصلاحات محض ایک بلند تر غرض کو حاصل کرنے کا ذریعہ تھیں۔اور یہ بلند تر غرض تبلیغ اسلام یا جہاد بالقرآن تھی۔اب کوئی جہاد کامیاب نہیں ہوسکتا جب تک کہ ایک باقاعدہ جماعت نہ ہو۔جس کے افراد ہر قسم کی قربانی کرنے کے لئے تیار ہوں'' اور خطرناک سے خطرناک مشکلات کے وقت ثابت قدم رہیں'' اس کے لئے بیعت یا حلف وفاداری کی ضرورت تھی۔جس طرح جہاد بالسیف ایک وفادار فوج چاہتا ہے اسی طرح جہاد بالقرآن بھی ایک وفادار جماعت کو چاہتا ہے اور جس طرح جہاد بالسیف میں حلف وفاداری کی ضرورت ہے۔اسی طرح جہاد بالقرآن میں حلف وفاداری کی ضرورت ہے اس کے بغیر جماعت میں وہ وفاداری پیدا نہ ہوسکتی تھی جس کی ضرورت ایک جہاد کے لئے ہے خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں کئی نازک موقعوں پر اپنے اصحاب سے بیعت لی مثلاً وہ بیعت جو انصار مدینہ سے لی کہ وہ لوگ آپ کی حفاظت کے لئے اسی طرح دل و جان دیں جس طرح اپنی قوم کی حفاظت کے لئے۔یا وہ بیعت جو حدیبیہ کے لئے اس موقع پر لی گئی جو ''بیعت رضوان'' کے نام سے مشہور ہے۔جس کا نتیجہ یوں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے دلوں میں سکینت اتاری یعنی ان کے دل مضبوط ہوگئے اور دشمن کی کثرت کی وجہ سے کوئی گھبراہٹ نہیں ہوئی نہ ہی دلوں میں خوف پیدا ہوا۔

اس لئے مجدد صد چہاردہم کو ایک جماعت بنا کر ان سے بیعت یا حلف وفاداری لینے کی ضرورت پیش آئی۔انسان جب ایک کام کے لئے اقرار کر لیتا ہے تو یہ اس کی فطرت کا تقاضہ ہے کہ وہ بڑی سے بڑی مشکلات سے گھبراتا نہیں۔

اقرار انسان کے اندر ایک عزم پیدا کر دیتا ہے اور انسان کا عزم وہ طاقت ہے کہ جس کے سامنے پہاڑ بھی کھڑے نہیں رہ سکتے یہی وجہ ہے مجدد وقت حضرت مرزا غلام احمد صاحب کا یعنی احمدیت کا مقابلہ ایک ہی وقت میں اسلام کے بہت سے اعدا سے تھا۔بلکہ خود مسلمانوں نے بھی مرزا صاحب کی بدترین مخالفت کی مگر آپ آگے ہی بڑھتے گئے اور احمدیت کا پھول برابر کھل کر بڑا ہوتا جا رہا تھا اور وہ اقرار جو بیعت میں لیا جاتا ہے بالکل اس غرض کے مطابق ہے جو اس جہاد میں مدنظر ہے۔

''میں دین کو دنیا پر مقدم کروں گا'' یعنی اپنے مال و جان کی پرواہ نہ کرتا ہوا

دین کے لئے ہر ایک خدمت بجالانے اور ہر قسم کی قربانی کرنے کے لئے تیار رہوں گا۔ پس ایک جماعت بنانا اور اس جماعت سے حلف وفاداری یا بیعت لینا اسی جہاد بالقرآن کی سب سے بڑی ضرورت تھی جس کو مسیح موعود علیہ السلام یعنی احمدیت نے دنیا میں قائم کرنا تھا۔ یہ امت مسلمہ کا بھولا ہوا سبق تھا جسے آپ نے تازہ کیا۔ اسی جہاد بالقرآن میں مسلمان قوم کی زندگی اور طاقت کا مشدہ ہے۔

## بیعت کی حقیقت اور مفہوم

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

جاہل لوگ بیعت کنندوں کو بہکاتے ہیں کہ تمہاری بیعت سے کیا فائدہ ہوا جبکہ تمہارے گھر میں کوئی بیٹا بھی پیدا نہ ہوا۔ کیا خدا نے مجھے اس لئے بھیجا کہ میں لوگوں کو بیٹے دیا کروں۔ خدا تو اب یہ چاہتا ہے کہ دین درست ہو جاوے۔ اور بیٹوں کے خیالات بھی جاتے رہیں نہ کہ لوگ مرید ہو کر آزمائش کیا کریں کہ بیٹے پیدا ہوتے ہیں یا نہیں۔

خداوند کریم فرماتا ہے:

''تمہاری اولاد اور تمہارے مال تمہارے فتنہ ہیں۔ یہ بیوقوف لوگ خدا پر اعتراض کرتے ہیں اور وہ سچے مسلمان نہیں جو ان باتوں کے پیچھے پڑ جاتے ہیں۔

''بادافرید'' کا ذکر ہے کہ ان کا بیٹا مر گیا تو کسی نے ان کو خبر دی۔ انہوں نے جواب دیا ''سگ بچہ مردہ است دفن کنید'' (کتے کا بچہ مر گیا ہے دفن کر دیں)

پورا مومن وہ ہے جو باوجود اولاد کے بے اولاد، باوجود بیوی کے مجرد ہو اور باوجود مال رکھنے کے فقیر ہو اور باوجود دوستوں کے ہونے کے اکیلا ہو۔ خدا نہیں چاہتا کہ کوئی اس کا شریک ہو۔ لوگ شرک کے لفظ کو محدود کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بتوں کی پوجا کرنا شرک ہے۔ مگر اصل بات یہ ہے کہ ہر ایک چیز جو خدا کے سوائے ہے اس کے ساتھ دل لگانا شرک ہے۔ بہت سے لوگ اس قسم کے ہیں کہ اگر بیعت کے بعد ان کی بیوی مر جائے یا بچہ مر جائے یا مال میں نقصان ہو تو وہ ٹھوکر کھاجاتے ہیں۔ خدا تعالیٰ روز ازل سے جانتا ہے کہ یہ لوگ بیعت میں داخل نہیں۔ ہر ایک سمجھ لے کہ جو ایسا چاہتا ہے وہ آج بھی نکل جاوے ''یہ دنیا ختم ہونے کو ہے''

اس کے آگے ایک جہاں ہے جو کہ ختم ہونے والا نہیں ہے جو شخص اس دنیا میں ہی ان سے چیزوں سے جدا ہو جاتا ہے اور اپنے آپ کو غریب بنالیتا ہے وہ ان چیزوں کو پالیتا ہے۔ خداوند کریم کی محبت، قربت رحمت اور حفاظت حاصل کر لیتا ہے یعنی خداوند کریم کی خوشنودی میسر آجاتی ہے۔ خدا ظالم نہیں جو لوگ درحقیقت خدا کے واسطے دنیا کو چھوڑ دیتے ہیں۔ خدا تعالیٰ دنیا ہی ایسے بندوں کو عطا کرتا ہے۔ پس تم خدا کے واسطے مال کی خواہش چھوڑ دو اور اس کے واسطے اولاد کے خیال کو ذلیل جانو تو تم کو خدا مال اور اولاد دونوں دے گا وہ سب کچھ دیتا ہے مگر وہ نہیں چاہتا کہ اس کا کوئی شریک ہو۔ عقلمند خدا پر ایمان لانے والا اس بات کو پہچانتا ہے کہ اصل جڑ توحید ہی ہے آئے دن خدا اور رسول پر طعن مار کرنے والا آدمی اچھا نہیں۔ جو تکلیف تجھے پہنچتی ہے وہ تیرے اپنے نفس کے سبب سے ہے۔

ہاں صادق پر بھی بلا آتی ہے مگر وہ بلا ''برنگ ایلام نہیں آتی'' بلکہ ''برنگ انعام آتی ہے'' اور اس سے صادق کے درجات بڑھتے ہیں۔ صادق بلا کے وقت ایسا نہیں ہوتا کہ تعلق توڑے بلکہ قدم آگے بڑھاتا ہے، ہاں جن لوگوں کے دلوں میں پہلے ہی سے بیماری ہوتی ہے ان کی بیماری اور بڑھ جاتی ہے۔

## خدا کی جماعت

خدا کی جماعت میں داخل ہو کر خدا پر احسان مت رکھو بلکہ خدا کا احسان تم پر ہے وہ قادر ہے چاہے ایک کو فنا کرے اور دوسرے کو اس کی جگہ لاوے۔ یہ زمانہ لوط اور نوح کے زمانہ کی مانند ہے اور اب ہی خدا نے ان کو سمجھانے کے واسطے ایک آدمی بھیجا ہے تا کہ یہ سمجھ جاویں اور عذاب سے بچ جاویں اور ہمیشہ سے خدا تعالیٰ کی یہی سنت ہے۔

فرمایا: ''انبیاء کے اس دنیا میں آنے کی سب سے بڑی غرض اور ان کی تعلیم اور تبلیغ کا عظیم الشان مقصد یہ ہوتا ہے کہ لوگ خدا تعالیٰ کو شناخت کریں اور اس زندگی سے جو انہیں جہنم اور ہلاکت کی طرف لے جاتی ہے اور جس کو گناہ آلود زندگی کہتے ہیں نجات حاصل کریں۔ حقیقت میں یہی بڑا بھاری مقصد ان کے زیر نظر ہوتا ہے۔ پس اس وقت بھی جو خدا تعالیٰ نے ایک سلسلہ قائم کیا ہے اور مجھے اس نے مبعوث

فرمایا ہے تو میرے آنے کے غرض بھی وہی مشترک غرض ہے جو سب انبیاء کی تھی۔ یعنی میں دنیا کو بتانا چاہتا ہوں کہ کس طرح پر انسان اللہ تک پہنچ سکتا ہے۔

بیا مدم کہ رہ صدق را درخشانم

بدلستاں برم آں راکہ پارسا باشد

فرمایا: ''انسانوں کے راضی کرنے کے پیچھے نہ پڑ بلکہ اپنے خدا کو راضی کرو۔ لاالہ الا اللہ کا یہی مضمون ہے اگر تم لوگوں کو راضی رکھنے کے واسطے ان کے ساتھ مداہنہ سے پیش آوٴ گے تو اس سے تم کو ہرگز کامیابی نہ ہوگی۔ اگر خدا راضی ہو جائے تو انسان کسی کا کچھ بگاڑ نہیں سکتا۔ ضروری امر ہے ہر ایک جو سنتا ہے غور سے سنو اور دوسروں کو سنا دے۔ خود دعا میں لگے رہو کہ تمہارا ہتھیار دعا ہی ہے۔ دنیا میں جس قدر پاپ گناہ اور معصیت ہے تم اس کو واعظ اور تدبیر کے ساتھ دور نہیں کر سکتے اس مصیبت کو دور کرنے کے لئے ہر ایک حیلہ بیکار ہے صرف دعا کے ساتھ ان تمام مشکلات کو دور کر سکتے ہو۔ خدا نے ایسا ہی فرمایا ہے اس زمانہ میں لوگوں کے خیالات کو نیکی اور پاکیزگی کی طرف پھیرنا ایک بڑا انقلاب ہے۔ یہ خدا کے ہاتھ میں ہے کہ اتنا بڑا انقلاب پیدا کرے، راتوں کو اٹھ اٹھ کر دعائیں کرو، عام لوگوں کی عادت ہے کہ صرف دنیا کے واسطے دعائیں کرتے ہیں'' وہ دنیا کے کیڑے ہیں''۔ دعا دین کے واسطے ہے، ''دراصل دین دعا میں ہے'' یہ خیال نہ کرو کہ ہم گنہگار ہیں، ہماری دعا کیونکر قبول ہوگی انسان دعا کرتا ہے آخر نفس پر غالب آجاتا ہے اور نفس کو پامال کر دیتا ہے۔

میری درخواست ہے اس سے جو خدا تعالیٰ، حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن سے سچا عشق اور محبت رکھتا ہے۔ مجدد صد چہاردہم کو جاننے کی کوشش کریں۔ اس مجدد اعظم کی تعلیمات سے ہم لوگ کہیں دور جا پڑے ہیں کیونکہ پوری دنیا میں اور پاکستان میں ''خدا کی جماعت'' والی کوئی بات ہرگز نظر نہیں آتی۔ ''صحابہ کی جماعت'' والی کوئی بات نظر نہیں آتی۔ ''خدا کا قائم کردہ سلسلہ'' والی کوئی بات نظر نہیں آتی۔ کوئی مرد خدا نظر نہیں آتا۔ کوئی خدا سے ملانے والا نظر نہیں آتا۔ سادگی اور عاجزی نظر نہیں آتی۔ شخصیات بہت ہیں لیکن تزکیہ نفس کرنے والا کوئی نہیں۔ مکرمی حافظ شیر محمد خوشابی مرحوم اور مکرمی مولانا عبدالحق ودریاتھی مرحوم جیسی شخصیات کہاں سے ڈھونڈیں؟

احباب جماعت کی توجہ اس طرف دلاتا ہوں کہ مسیح موعود علیہ السلام کے ایک ایک حرف، نقطہ میں، لفظ میں جواہرات پوشیدہ ہیں جو ہر شناس بن کر ان جواہرات کو پالیں کیونکہ وہ خزانہ لٹا گئے ہیں۔ لوٹنے والا کوئی نہیں۔ جنہوں نے لوٹا وہ اس قدر مالدار ہوئے کہ طفل اللہ ہو گئے، روحانی وجود پا گئے۔

ابو دجانہؓ جیسا مجاہد اسلام چاہیے جس نے ایک معرکہ میں تحفظ اسلام کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور جید صحابہؓ کے درمیان خدا کی راہ میں جان نچھاور کرنے کے لئے اتراتے ہوئے سینہ تان کر بلند کیا تھا۔ مرد مومن حکیم مولوی نور الدین رحمتہ اللہ علیہ پر ایک مرد خدا کا سایہ تھا، ساتھ تھا۔ مولانا محمد علی رحمتہ اللہ علیہ پر سایہ تھا، ساتھ تھا۔ اب ان جیسی ہستیاں کہاں۔

اب وہ ہستیاں تو ناپید ہیں مگر نقش قدم تو قائم دائم ہیں اور ہم لوگ دیدہ دانستہ اندھے بنے ہوئے بھٹک رہے ہیں۔ قریب ہے کہ اب اور زیادہ سنگ راہ سے زندگی ٹکرا جائے اور کام تمام ہو جاوے۔ زمانہ ہزار کوشش مٹانے کی کر رہا ہے یہ ہماری اپنی کمزوریاں ہیں۔ آئیں صدق دل سے اصل منزل اور مقام جس کی بنیاد مجدد اعظم صد چہاردہم نے رکھی ہے اس پر ہر حال میں پہنچیں۔ وقت تیزی سے گذرتا چلا جا رہا ہے اور کسی کو فکر نہیں انجام کیا ہوگا؟ فیصلے ایسے ہوں جسے پھر دل کبھی بھلا نہ سکے۔

مردِ خدا کے ذہن میں جو خیال اترتا ہے وہ خداوند کریم کا ہی حکم ہوتا ہے۔ مرد خدا کے منہ سے جو کلام جاری ہوتا ہے وہ خداوند کریم کا ہی کلام ہوتا ہے۔ جماعت احمدیہ کی ترقی اور عروج کا راز بھی مجدد صد چہاردہم کے ساتھی تھے جنہوں نے اپنے جان و مال سے وہ رنگ دکھائے کہ یاد رہیں گے۔ احمدیت کسی چار دیواری کی پابند نہیں بلکہ کل نفوس عالم کے لئے یہ دعوت ہے۔ اس دعوت حق کو دنیا کے کناروں تک پہنچانے کے لئے سوار، رکاب دونوں مضبوط ہوویں گے تو مقابلہ ہوگا۔

☆☆☆☆

# ایک عالم کی موت دنیا کی موت ہے

## قاضی عبدالاحد مرحوم ومغفور

تحریر از: عامر عزیز صاحب

حیات کا ابدی فلسفہ یہی ہے کہ زندگی کل ارتقاء اور کائنات کے سربستہ راز کو جاننا انسان کا بنیادی حق بھی ہے اور فرض بھی۔ یہ حق صرف اور صرف اہل علم ہی استعمال کر سکتے ہیں اور زندگی کا حسن، اس کی رعنائی، اس کی تروتازگی، اس کی شگفتگی سب علم سے وابستہ ہے۔ اسی لئے قرآن نے سب سے پہلا حکم ''اقراء'' پڑھ اے انسان اٹھ کہ جہانِ تازہ نو اس اقراء کا محتاج ہے۔ جو شخصیت اس اقراء کے سبق سے دامن گیر ہو جائے پھر وہ بلندیوں کے اس معراج کو پار کر لیتی ہے جس کے لئے لازوال زندگی کا وعدہ ہے۔ اسی لئے کہتے ہیں کہ ایک عالم انسان کی موت دراصل ایک جہاں کی موت ہوتی ہے کیونکہ اس کے علم، اس کی فکر، اس کی دانش، اس کے تقویٰ، اس کی دعاؤں اور اس کی صحبت سے ایک دنیا مستفید ہو رہی ہوتی ہے۔

غرض یہی حال ہمارا ہے کہ ہم میں سے ایک ایسا عالم بے بدل اور بے نظیر دماغ اس جہانِ فانی سے رحلت کر گیا کہ سارا چمن ہی اداس کر گیا۔ میری مراد میرے استاد، میرے قلیل علم کا منبع، جس نے مجھ جیسے اندھیرے میں بھٹکنے والے کو روشنی عطا کی۔ یعنی محترم قاضی عبدالاحد مرحوم ومغفور یادوں کی ایک برسات ہے جو لڑی کی صورت میں برستی جارہی ہے اور میرے جیسے ناقص لکھنے والا اس کو اپنے قلم میں سمو نہیں پا رہا کہ کہاں سے شروع کروں اور کہاں ختم۔

قاضی عبدالاحد مرحوم ومغفور جیسے انسان ہی کے بارے میں کسی نے کہا تھا کہ:

''یاد آئیں گے تمہیں میرے سخن میرے بعد''

وہ انسان جس کی ساری زندگی صرف اور صرف لائبریری، مسجد، نماز اور کتاب کے ساتھ گذری۔ قرآن کا حافظ، احادیث رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالجات جس کے انگلیوں پر نقش تھے۔ قاضی عبدالاحد مرحوم ومغفور کو یہ کہا جائے کہ وہ بذاتِ خود لائبریری تھے تو یہ بے جا نہ ہوگا۔ لائبریری کی تقریباً بارہ سے تیرہ ہزار کتب کی الماریوں میں جگہ، الماری کے اندر اس کی لائن اور نمبر تک آپ کو زبانی یاد تھے۔ قاضی صاحب مرحوم کی کل کائنات یہ مسجد اور لائبریری تھی۔ گھر میں ہیں تو کتابوں کے ساتھ یا پھر قرآن مجید کے مطالعہ یا احادیث نبویؐ یا پھر سلسلہ کی کتب کے مطالعے اور ان کو سنوارنے میں مشغول۔ محترم قاضی عبدالاحد مرحوم ومغفور مدرسہ دیوبند ہندوستان کے فارغ التحصیل تھے اور وہاں کے حالات اور اساتذہ کی علمیت کے واقعات اکثر بتایا کرتے تھے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ اپنے ان اساتذہ کا بہت احترام سے نام لیتے تھے جنہوں نے ان کو عربی زبان اور دیگر مروجہ علوم سکھائے تھے۔ آپ کی آخری دم تک یہ خواہش تھی کہ لوگ ان سے عربی اور فارسی ضرور سیکھیں کیونکہ یہ دونوں زبانیں اسلام کی حقیقی روح اور علم کو سمجھنے کے لئے ضروری ہیں۔ اگرچہ آپ کا عربی سکھانے کا طریقہ پرانا تھا اور آپ اپنے خاص انداز سے ہی سکھاتے تھے مگر اس خادم نے ان سے اتنا سیکھا کہ سب کچھ انہی کا مرہون منت ہے۔

قاضی عبدالاحد صاحب کی زندگی سادہ مگر انتہائی سخت نظم وضبط کا مجموعہ تھی۔ سادہ خوراک، سادہ لباس، سادہ رہن سہن اور شگفتہ گفتاری آپ کا خاصہ تھی۔ وقت کی پابندی اس قدر کہ کسی کو بھی مخصوص وقت سے ایک منٹ بھی زیادہ دینے کے روادار نہ تھے۔ آپ نے اپنی بیماری تک امام الصلوۃ کی ذمہ داری نبھائی اور ایک دن کسی ایک نماز میں بھی نہ تو کبھی تاخیر سے آئے اور نہ ہی بلاوجہ ناغہ کیا۔ ساری زندگی تراویح میں قرآن سناتے رہے اور ہم سنتے رہے۔

قاضی صاحب مرحوم نہایت ہی رکیک القلب اور صلہ رحمی والے انسان تھے۔ آپ اپنے بے شمار رشتہ داروں خاص طور پر مساکین اور غرباء قریبیوں کی مدد

کرنے والے تھے۔ ان کے ایسے عزیز جوان کے پاس نہیں آتے تھے مگر یہ ان کی خبر گیری کرتے رہتے تھے اور ان کی ہر ممکن مدد کرتے تھے۔ خاص طور پر کسی بھی بچے کو اگر تعلیم حاصل کرنا ہوتی اور وسائل نہ ہوتے تو آپ اپنی پوری سعی کر کے اس کی تعلیم کے لئے وسائل مہیا کرتے۔

صبح کی سیر اور وہ بھی کئی کلو میٹر یہ ان کا محبوب مشغلہ تھا۔ صبح کی نماز کے بعد آپ کے ہاتھ میں ایک پائپ ہوتا تھا اور آپ سیر کے لئے نکل جاتے اور یہی آپ کی صحت اور درازی عمر کا راز تھا۔ دفتر کے اوقات کے اس قدر پابند کے کبھی لیٹ آنے کا سوچا بھی نہ تھا۔ اور آخری علالت تک آپ سب سے زیادہ پابندی وقت والے کارکن تھے۔ نہ بلاوجہ کی چھٹی درکار تھی اور نہ ہی کوئی عذر۔

حسنِ مزاح بھی آپ کی شخصیت کا حصہ تھی اور چھوٹے چھوٹے لطیفے اور چٹکلے اکثر سناتے رہتے تھے اور کبھی مایوسی کو قریب نہیں پھٹکنے دیا۔ پوری جماعت میں سے کسی کو کوئی حوالہ درکار ہوتا تو اس کی پہلی آماجگاہ قاضی عبدالاحد صاحب مرحوم ومغفور ہوتے تھے۔ قرآن وحدیث، فقہ اور سلسلہ احمدیہ کی کتب، کوئی بھی حوالہ ضرور ہوتا تو لوگ آپ سے ہی رابطہ کرتے اور ساعتوں میں اپنی مراد پاتے۔

میں نے اور قاضی صاحب نے حضرت مرزا صاحب کی چار کتب کا عربی سے اردو میں ترجمہ کیا ہے۔ اگر میں یہ کہوں کہ ان کتب کے تراجم میں تمام روح، تمام علم اور تمام فن ان کا ہے تو حقیقت یہی ہے۔ میں تو محض کارندہ تھا باقی سب کچھ انہی کی محنت کا ثمر ہے۔ وہ اس کام میں اس قدر مگن ہو گئے اور اس قدر جذب ہو کر انہوں نے یہ کام کیا کہ اس کی مثال نہیں ملتی اور تب ہی یہ ممکن ہوا کہ ہم یہ چار کتب مکمل کر سکے۔ دن رات انہوں نے میرا ساتھ نبھایا۔ رات کو عربی کی لغات دیکھنا، پھر دیگر کتب سے استفادہ کرنا اور صبح وشام میرے ساتھ بیٹھ کر ترجمہ کرنا ان کے لئے زندگی کا اہم ترین فریضہ بن گیا تھا۔

کہتے ہیں حیاء انسان کا زیور ہے اور انسان کی یہ صفت اس کے حسن میں اضافہ کرتی ہے۔ آپ میں یہ صفت بدرجہ اتم موجود تھی۔ آپ عمر کے اس حصے میں تھے کہ جب چاہتے اور جس گھر میں چاہتے جا سکتے تھے مگر آپ جب کبھی کسی کے ہاں جاتے تو باہر سے آواز لگاتے اور اگر گھر میں کوئی مرد موجود نہ ہوتا تو بس قاضی صاحب واپس۔ میری عدم موجودگی میں شریک حیات اکثر کہتی کہ قاضی صاحب آئیں بیٹھیں مگر کہتے کہ عامر نہیں ہے تو پھر آؤں گا۔

قاضی عبدالاحد مرحوم کی سب سے اعلیٰ صفت یہ تھی کہ آپ عام قدامت پسند اور روایت پسند علماء کی طرح محض فرسودہ خیالات اور روایات کے اسیر نہیں تھے۔ آپ ایک انتہائی روشن دماغ، جدت پسند اور نئی سوچ کے علمبردار تھے۔ آپ تمام فقہی اور دینی مسائل کو ہمیشہ آج کے دور کے تناظر میں بیان کرتے تھے۔ آپ تمام دینی مسائل میں اجتہاد کے قائل تھے اور آپ نے جب بھی اجتہاد کیا وہ قرآن و سنت کی باقاعدہ دلیل کے ساتھ۔ اگرچہ آپ دیوبند سے فارغ التحصیل تھے مگر آپ نے ریاضی اور انگریزی زبان خود سیکھی۔

قاضی عبدالاحد مرحوم ومغفور کی سب سے بڑی صفت جو انہیں ممتاز کرتی ہے وہ آپ کی محنت اور شب وروز کام کرنے کی عادت تھی۔ آپ کے نزدیک ایک لمحہ بھی بے کار رہنا کسی کوفت سے کم نہ تھا۔ آپ صبح سے شام تک مسلسل کام میں مصروف رہتے تھے۔ اپنے کام خود اپنے ہاتھ سے کرنا کوئی ان سے سیکھے۔ اپنے برتن تک کو کسی کو ہاتھ نہیں لگانے دیتے تھے۔ یعنی آپ قائداعظمؒ کے اس قول کی عملی تفسیر تھے۔: ''کام کام اور بس کام''۔

الغرض میری تو قاضی عبدالاحد مرحوم ومغفور سے بے تکلفی تھی، دوستی تھی اور یارانہ تھا مگر ان کے ساتھ استاد شاگرد کا رشتہ سب سے فائق تھا اور یہی سرمایہ حیات ہے۔ قاضی صاحب مرحوم کی جماعت کے لئے خدمات حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب سے عشق آپ کو ہمیشہ زندہ رکھے گا کیونکہ موت ایسے انسانوں سے جسم تو چھین سکتی ہے مگر حیات ابدی ان پر مسکراتی ہے۔ اور ہمیں یہ پیغام دیتی ہے کہ انہیں مردہ مت کہو یہ زندہ ہیں اور زندہ ہی رہیں گے۔

قاضی عبدالاحد مرحوم ومغفور کے جانے سے ایک ایسا خلا پیدا ہو گیا ہے جسے سوائے قدرت کے کوئی پُر نہیں کر سکتا۔ آپ کی خوبیاں، آپ کی صفات اور آپ کا کام ایسا بے نظیر تھا کہ قلم کے ذریعہ اس کو بیان کرنا مشکل ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ مرحوم کو جنت کا اعلیٰ مقام عطا کرے اور ان کو اپنے ان لوگوں میں شامل کرے جن کے بارے میں اس کا وعدہ ہے کہ ''ان پر کوئی خوف اور کوئی غم نہیں''۔

قسط دوئم

# کشتی نوح

## سوال و جواب کی صورت میں

از: محترمہ جسارت نذر رب صاحبہ

سوال نمبر (۱۸): کون خدا پر ایمان لایا؟

جواب: ''وہ جو اپنے دلوں کو صاف کرتے ہیں، ہر آلودگی سے پاک کر لیتے ہیں اور اپنے خدا سے وفاداری کا عہد باندھتے ہیں۔ وہ ہرگز ضائع نہیں کئے جائیں گے۔ کیونکہ وہ خدا کے ہیں اور خدا ان کا۔ وہ خدا کی گود میں ہیں اور خدا ان کی حمایت میں۔ جو اس پر ایمان نہیں لاتا وہ سعادت سے محروم ہے۔ آپؑ فرماتے ہیں: ''جب تو دعا کے لئے کھڑا ہو تو تجھے لازم ہے کہ یہ یقین رکھے کہ تیرا خدا ہر ایک چیز پر قادر ہے، تیرا خدا وہ ہے جس نے بے شمار ستاروں کو بغیر ستون کے لٹکا دیا جس نے زمین و آسمان کو محض عدم سے پیدا کیا۔ اگر تم خدا کے ہو جاؤ گے تو یقیناً سمجھو کہ خدا تمہارا ہی ہے۔ خدا ایک پیارا خزانہ ہے اس کی قدر کرو۔ وہ تمہارے ہر ایک قدم میں تمہارے ساتھ ہے۔ تمہارا مددگار رہے''۔

سوال نمبر (۱۹): دوسری قومیں کیوں کامیاب ہو رہی ہیں حالانکہ وہ اس خدا کو جانتی بھی نہیں جو تمہارا کامل اور قادر خدا ہے۔ اس سلسلہ میں حضرت مسیح موعودؑ کیا فرماتے ہیں؟

جواب: ''اس کا جواب یہی ہے کہ وہ خدا کو چھوڑنے کی وجہ سے دنیا کے امتحان میں ڈالی گئی ہیں۔ خدا کا امتحان کبھی اس رنگ میں ہوتا ہے کہ جو شخص اسے چھوڑتا ہے اور دنیا کی مستیوں اور لذتوں سے دل لگاتا ہے۔ دنیا کی دولتوں کا خواہش مند ہوتا ہے تو دنیا کے دروازے اس پر کھولے جاتے ہیں اور دین کی رو سے وہ مفلس اور ننگا ہوتا ہے۔ اور آخر دنیا کے خیالات میں ہی مرتا اور ابدی جہنم میں ڈالا جاتا ہے۔ ہلاک ہو گیا وہ شخص جس نے اس راز کو نہیں سمجھا''۔

سوال نمبر (۲۰): بعض لوگ حدیث کو بکلی نہیں مانتے۔ اس سلسلہ میں حضرت صاحب کیا فرماتے ہیں؟

جواب: ''اگر وہ ایسا کرتے ہیں تو سخت غلطی کرتے ہیں۔ میں نے یہ تعلیم نہیں دی کہ ایسا کرو بلکہ میرا مذہب یہ ہے کہ تین چیزیں ہیں جو تمہاری ہدایت کے لئے خدا نے تمہیں دی ہیں سب سے اوّل قرآن حکیم ہے جس میں خدا کی توحید اور جلال اور عظمت کا ذکر ہے اور جس میں ان اختلافات کا فیصلہ کیا گیا ہے جو یہود اور نصاریٰ میں تھے۔ جیسا کہ یہ اختلاف اور غلطی کہ عیسیٰ بن مریم صلیب کے ذریعہ قتل کیا گیا اور وہ لعنتی ہوا اور دوسرے نبیوں کی طرح اس کا رفع نہیں ہوا۔ اسی طرح قرآن میں منع کیا گیا ہے کہ تم خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، نہ انسان کی نہ حیوان کی، نہ سورج کی نہ چاند کی۔ نہ کسی اور ستارہ کی۔ قرآن وہ کتاب ہے جس کے مقابل پر تمام ہدایتیں ہیچ ہیں۔ کامیاب ہیں وہ لوگ جنہوں نے سچے علم اور فلسفہ کو خدا کی کتاب میں ڈھونڈا۔ ہر ایک پاک حکمت آسمان سے آتی ہے۔ خدا نے اپنی تعلیم کے موافق جو سورۃ فاتحہ میں سکھائی گئی تمام نعمتوں کا تم پر دروازہ کھول دیا ہے۔ مبارک وہ جو خدا کے لئے اپنے نفس سے جنگ کرتے ہیں۔ جو شخص اپنے نفس کے لئے خدا کے حکم کو ٹالتا ہے وہ آسمان میں ہرگز داخل نہیں ہوگا۔ سو تم کوشش کرو جو ایک نقطہ یا ایک شعشہ قرآن شریف کا بھی تم پر گواہی نہ دے''۔

''دوسرا ذریعہ ہدایت کا سنت ہے۔ یعنی وہ پاک نمونے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فعل اور عمل سے دکھائے۔ مثلاً نماز پڑھ کے دکھائی، روزہ رکھ کر دکھایا، اس کا نام سنت ہے۔ یعنی رَوِش نبیؐ جو خدا کے قول کو فعل کے رنگ میں دکھاتے رہے''۔

''تیسرا ذریعہ ہدایت کا حدیث ہے جو آپ کے بعد آپ کے اقوال جمع کئے

گئے۔ حدیث کا رتبہ قرآن اور سنت سے کم تر ہے۔ کیونکہ اکثر حدیثیں ظنی ہیں۔ لیکن اگر ساتھ سنت ہو تو وہ اس کو یقینی کر دے گی''۔

سوال نمبر (۲۱): خدا تم سے کیا چاہتا ہے؟

جواب ''بس یہی کہ تم تمام نوع انسان سے عدل کے ساتھ پیش آؤ۔ پھر اس سے بڑھ کر یہ کہ ان سے بھی نیکی کرو جنہوں نے تم سے کوئی نیکی نہیں کی۔ پھر اس سے بڑھ کر یہ کہ تم مخلوق خدا سے ایسی ہمدردی سے پیش آؤ گویا تم ان کے حقیقی رشتہ دار ہو۔ جیسا کہ مائیں اپنے بچوں سے پیش آتی ہیں۔ طبعی جوش سے۔ آخری درجہ نیکیوں کا طبعی جوش ہے۔ جو ماں کی طرح ہو''۔

سوال نمبر (۲۲): خدا تمہیں بے ہودہ قسموں سے روکتا ہے۔ اس سے آپؑ کا کیا مطلب ہے؟

جواب: ''کیونکہ بعض صورتوں میں قسم فیصلہ کے لئے ایک ذریعہ ہے اور خدا کسی ذریعہ ثبوت کو ضائع کرنا نہیں چاہتا کیونکہ اس سے اس کی حکمت تلف ہوتی ہے۔ یہ طبعی امر ہے کہ جب کوئی انسان ایک متنازعہ فیہ امر میں گواہی نہ دے۔ تب فیصلہ کے لئے خدائی گواہی کی ضرورت ہے اور قسم کا مطلب ہے خدا کو گواہ ٹھہرانا''۔

سوال نمبر (۲۳): دعا کا فلسفہ کیا ہے؟

جواب ''قرآن سکھاتا ہے کہ اپنی دعا کو ہر ایک موقع پر پوشیدہ مت کرو بلکہ تم لوگوں کے رُوبرو اور اپنے بھائیوں کے مجمع کے ساتھ کھلے طور پر دعا کیا کرو تا اگر کوئی دعا منظور ہو تو اس مجمع کے لئے ایمان کی ترقی کا موجب ہو اور تا دوسرے لوگ بھی دعا میں رغبت کریں''۔

سوال نمبر (۲۴): مجرمین کی پاداش کے لئے خدا کے قانونِ قدرت کیا ہیں؟

جواب ''قانونِ قدرت دو ہیں۔ ایک وہ قانون جو فرشتوں کے متعلق ہے یعنی فرشتے محض اطاعت کے لئے پیدا کئے گئے ہیں اور ان کی اطاعت محض فطرت روشن کا ایک خاصہ ہے وہ گناہ نہیں کر سکتے۔ مگر نیکی میں ترقی بھی نہیں کر سکتے۔ دوسرا قانون وہ ہے جو انسان کے متعلق ہے یعنی یہ کہ انسانوں کی فطرت میں یہ رکھا گیا ہے کہ وہ گناہ کر سکتے ہیں مگر نیکی میں ترقی بھی کر سکتے ہیں۔ یہ دونوں نہیں فطرتی قانون غیر متبدل ہیں اور جیسا کہ فرشتہ انسان نہیں بن سکتا۔ ایسا ہی انسان فرشتہ نہیں بن سکتا۔ یہ دونوں قانون بدل نہیں سکتے۔ ازلی اور اٹل ہیں۔ اس لئے آسمان کا قانون زمین پر نہیں آ سکتا اور زمین کا قانون فرشتوں کے لئے نہیں ہو سکتا۔ انسانی خطا کاریاں اگر توبہ کے ساتھ ختم ہوں تو وہ انسان کو فرشتوں سے افضل بنا سکتی ہیں کیونکہ فرشتوں میں ترقی کا مادہ نہیں۔ انسان کے گناہ توبہ سے بخشے جاتے ہیں۔ اور حکمتِ الٰہی نے بعض افراد میں سلسلہ خطا کاریوں کا باقی رکھا ہے تا وہ گناہ کر کے اپنی کمزوری پر اطلاع پاویں اور پھر توبہ کر کے بخشے جاویں۔ یہی قانون ہے جو انسان کے لئے مقرر کیا گیا ہے اور اسی کو انسانوں کی فطرت چاہتی ہے۔ سہو و نسیاں انسان کی فطرت کا خاصہ ہے۔ فرشتہ کا خاصہ نہیں۔ پھر وہ قانون جو فرشتوں کے متعلق ہے انسانوں میں کیونکر نافذ ہو سکے۔ یہ خطا کی بات ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف کمزوری منسوب کی جائے۔ صرف قانون کے نتائج ہیں جو زمین پر جاری ہو رہے ہیں۔ ہر روز کروڑ ہا انسان دنیا سے گذرتے ہیں اور کروڑ ہا پیدا ہوتے ہیں۔ ہم خدا کی زمینی بادشاہت کو بچشم خود دیکھ رہے ہیں۔ اس کے قانون کے مطابق ہماری عمریں ختم ہو جاتی ہیں اور ہماری حالتیں بدلتی رہتی ہیں۔ دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ انشان ظاہر ہوتے ہیں۔ زمین ہزار ہا قسم کے نباتات اور پھل پھول اس کے حکم سے پیدا کرتی ہے۔ خدا زمین کا بادشاہ ہے اور آسمان کا بھی ''یعنی زمین و آسمان اس کی اطاعت کر رہے ہیں''۔ اگر وہ عابدوں کو مدد دینے کی طاقت رکھتا ہے تو مجرموں کو اپنے غضب سے ہلاک بھی کر سکتا ہے۔ جرائم بھی خدا کے قانون قضا و قدر کے نیچے ہیں''۔

سوال نمبر (۲۵): ثابت کریں کہ سورۃ فاتحہ میں تمام لوازم بادشاہت کے بیان کئے گئے ہیں؟

جواب ''بادشاہ میں یہ صفات ہونی چاہئیں کہ وہ لوگوں کی پرورش پر قدرت رکھتا ہو۔ سو سورۃ فاتحہ میں رب العالمین کے لفظ سے اس صفت کو ثابت کیا گیا ہے۔ پھر دوسری صفت بادشاہ کی یہ ہونی چاہیے کہ جو کچھ اس کی رعایا کو اپنی آبادی کے لئے ضروری سامان کی حاجت ہے وہ بغیر عوض ان کی خدمات کے خود اپنے رحم سے عطا کرے۔ سو رحمٰن کے لفظ سے اس صفت کو ثابت کیا گیا ہے۔ تیسری صفت بادشاہ میں یہ ہونی چاہیے کہ جن کاموں کو اپنی کوشش سے رعایا انجام

تک نہ پہنچا سکے ان کے انجام کے لئے مناسب طور پر مدد دے۔ سو الرحیم کے لفظ سے اس صفت کو ثابت کیا ہے۔ چوتھی صفت بادشاہ میں یہ ہونی چاہیے کہ جزا سزا پر قادر ہو۔ تا سیاست مدنی کے کام میں خلل نہ پڑے۔ سو مالک یوم الدین کے لفظ سے اس صفت کو ظاہر کردیا ہے۔ خلاصہ کلام یہ کہ سورۃ فاتحہ نے تمام لوازم بادشاہت کے پیش کئے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ زمین پر خدا کی بادشاہت ہے اور بادشاہی تصرفات موجود ہیں چنانچہ اس کی ربوبیت بھی موجود، رحمانیت بھی موجود، رحیمیت بھی موجود اور سلسلہ امداد بھی موجود اور سلسلہ سزا بھی موجود۔ غرض جو کچھ بادشاہت کے لوازم میں سے ہوتا ہے، زمین پر سب کچھ خدا کا موجود ہے اور ایک ذرہ بھی اس کے حکم سے باہر نہیں۔ ہر ایک جزا اس کے ہاتھ میں ہے۔ ہر ایک رحمت اس کے ہاتھ میں ہے۔ ہر ایک انسان خواہ کیسا ہی دولت مند ہو۔ اپنی خواہش کے مخالف موت کا پیالہ پیتا ہے۔ جب حکم آجاتا ہے تو کوئی اپنی موت کو ایک سیکنڈ کے لئے نہیں روک سکتا۔ ناقابل علاج مرض جب دامن گیر ہوتی ہے تو کوئی طبیب یا ڈاکٹر اس کو دور نہیں کرسکتا۔ خدا کے آسمانی حکم نے طاعون کے ساتھ زمین کو ہلا دیا۔ تا اس کے مسیح موعودؑ کے لئے ایک نشان ہو بلکہ خدا سب سے زیادہ اپنی زمینی بادشاہت سے ہی پہچانا گیا ہے۔ کیونکہ ہر ایک شخص خیال کرتا ہے کہ آسمان کا راز مخفی ہے۔ سورۃ الفاتحہ میں خدا نے یہ کہہ کر ہمیں خبر دی ہے کہ وہ رب العالمین ہے یعنی جہاں تک آبادیاں ہیں اور جہاں تک کسی مخلوق کا وجود موجود ہے خواہ اجسام خواہ ارواح ان کا پیدا کرنے والا اور پرورش کرنے والا خدا ہے۔ جو ہر وقت ان کی پرورش کرتا اور ان کے مناسب حال ان کا انتظام کررہا ہے اور تمام عالموں پر ہر وقت ہر دم اس کا سلسلہ ربوبیت، رحمانیت، رحیمیت اور جزا سزا کا جاری ہے"۔

☆☆☆☆

# اپیل دستکاری

سالانہ دعائیہ کے موقع پر ہر سال خواتین خصوصی اجلاس میں مختلف موضوعات پر تقاریر کے علاوہ نہایت خوبصورت دستکاری بھی پیش کرتی ہیں۔ گذشتہ سال دستکاری کی نہایت کامیاب قابل تحسین اور قابل فخر کامیابی صرف اور صرف آپ کے تعاون اور محنت سے ممکن ہوئی۔

آپ سے درخواست ہے کہ دستکاری کی نمائش میں حصہ لینے کی تیاری ابھی سے شروع کردیں اور دوسری بہنوں کو بھی ترغیب دلائیں اور تمام بہنیں اپنی دستکاری اس جلسہ پر پیش کر کے مشاہدین کے دلوں میں اپنی جماعت کی اہمیت اور افادیت کا نقش جمائیں۔ آپ کی چھوٹی سی یہ انفرادی کوشش جماعت کے عظیم کاموں میں آپ کو حصہ دار بنا دیتی ہے۔

امید ہے اس سال بھی دستکاری کی نمائش اور آمدنی مزید بہتر ہوگی۔

آپ کی تعاون کی منتظر

بشریٰ علوی

سیکرٹری، دستکاری خواتین

☆☆☆☆

# درس قرآن ۔ ۲۰

نصیر احمد فاروقی مرحوم و مغفور

(از: معارف القرآن)

ترجمہ: ''اور جب تیرے رب نے فرشتوں کو کہا کہ میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔ انہوں نے کہا کیا تو اس میں اسے بنائے گا جو اس میں فساد کرے گا اور خون بہائے گا؟ اور ہم تیری حمد کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں اور تیری تقدیس کرتے ہیں۔ فرمایا میں یقیناً وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ اور آدمؑ کو سب کے نام سکھائے پھر ان کو فرشتوں کے سامنے کیا اور کہا مجھے ان کے نام بتاؤ، اگر تم سچے ہو۔ انہوں نے کہا تو پاک ہے ہمیں کوئی علم نہیں مگر وہی جو تو نے ہمیں سکھایا۔ بے شک تو تمام علم والا ہے حکمت والا ہے''۔

اگر چہ یہ آیات سیدھے سادھے الفاظ میں بظاہر ایک واقعہ کا ذکر کرتی ہیں مگر ان کے اندر ایک اہم اور بنیادی مضمون مخفی ہے۔ اور اس کو واضح کرنا اس سے مشکل ہے کہ ظاہر پرست لوگ ظاہری الفاظ کو بخوبی نہ سمجھتے ہوئے ایک غلط تاثر اس قدر عام طور پر پھیلا چکے ہیں کہ وہ لوگوں کی طبیعتوں میں جڑیں پکڑ چکا ہے اور ایک غلط تاثر کو جو جڑیں پکڑ چکا ہے لوگوں کے دلوں سے نکالنا مشکل ہو جاتا ہے۔ چونکہ وہ غلط تاثر اسلام کے بنیادی عقیدوں کے بارہ میں نہیں اس لئے میں اسے نہ چھیڑتا اگر اس میں بعض اہم بنیادی مضامین نہ ہوتے جن کی طرف اشارہ میں بار، بار بعد کے درسوں میں مجبوراً کروں گا۔ بہر حال ایک غلط تاثر کو دور کرنا ویسے بھی ہر شخص کا فرض ہے۔ اس لئے میں اس رکوع کی تفسیر پہ ہاتھ ڈالتا تو ہوں مگر اللہ تعالیٰ کی مدد اور توفیق مانگتے ہوئے کہ وہ مجھے اس رکوع کو سمجھنے اور سمجھانے میں اپنی ذرہ نوازی سے میری راہنمائی فرمائے۔ آمین

ہر درس پر ۱۵ منٹ کی بندش کی وجہ سے میں نے پورا رکوع نہ تو لکھا ہے نہ اس کا ترجمہ کیا ہے۔ مگر سننے والے اس واقعہ کا جو اس رکوع میں مذکور ہے جانتے ہوں گے۔ نہ جانتے ہوں تو سورۃ بقرہ کا رکوع نمبر ۴ (آیات ۳۰ تا ۳۹) پڑھ لیں بمعہ عام ترجمہ کے، عام تاثر ہے کہ گویا ایک محفل سی تھی جس میں اللہ تعالیٰ، فرشتے، حضرت آدمؑ و حوا، ابلیس یا شیطان سب موجود تھے۔ آمنے سامنے وہ باتیں ہوئیں اللہ تعالیٰ اور فرشتوں میں، بعد میں حضرت آدمؑ میں اور اللہ تعالیٰ میں، اور بالآخر شیطان میں اور اللہ تعالیٰ میں اور حضرت آدمؑ میں جو اس رکوع میں مذکور ہیں۔ اس آپس کی گفت و شنید میں فرشتوں نے نعوذ باللہ خدا کے حکم کے آدمؑ کو خلیفہ بنانے پر اعتراض کیا کہ کیا تو اس زمین میں اسے بنائے گا جو اس میں فساد کرے گا اور اور خون بہائے گا۔ اور بعض مفسرین کے نزدیک فرشتوں نے خلیفہ کے عہدہ پر اپنا حق جتانے کے لئے کہا کہ ہم جو ہیں تیری تسبیح اور حمد اور تقدیس کرنے والے۔ پھر ایک بہت غلط خیال یہ ہے کہ جب فرشتوں کو حکم دیا گیا کہ آدم کو سجدہ کریں تو شیطان بھی مخاطب تھا کیونکہ بقول ان کے شیطان الملکوت یعنی فرشتوں کا استاد تھا۔ پھر شیطان نے سجدہ کرنے سے انکار کیا تو وہ اپنی زبان سے کلام کے رنگ میں تھا۔ اگر فرشتوں نے زبانی اعتراض کیا گستاخی کی تو شیطان نے زبانی انکار کیا۔

اصل میں یہ سب غلط تاثرات عربی کے لفظ قال کو بخوبی نہ سمجھنے سے پیدا ہوئے ہیں۔ دوئم یہ سمجھنے سے کہ اس رکوع کے تمام واقعات ایک ہی محفل میں نہیں تو کم سے کم اوپر تلے ہوئے۔ حالانکہ قرآن کریم کی یہ طرز ہے کہ کسی مضمون کی جو ضروری باتیں ہیں انہیں ایک دوسرے کے بعد بیان فرمایا جاتا

ہے مگر اس کے یہ معنی نہیں ہوتے کہ وہ باتیں فوراً ایک دوسرے کے بعد ہوئیں۔ مثلاً سورۃ مریم ۱۹ کے پہلے رکوع میں حضرت زکریا کو ایک بیٹے یحییٰ کی خوشخبری دیئے جانے کا ذکر ہے۔ اور اس کے معاً بعد آتا ہے ''یعنی اے یحییٰ اس کتاب کو جو تجھے دی جاتی ہے، مضبوطی سے پکڑ''۔ اب دونوں واقعوں کے درمیان کم سے کم چالیس سال کا ضرور وقفہ تھا۔ تو قرآن کریم ہر موضوع کی ضروری باتوں کو ایک دوسرے کے بعد ذکر فرماتا ہے مگر اس سے یہ غلطی نہ کھانی چاہیے کہ وہ واقعات معاً ایک دوسرے کے بعد ہوئے۔ حضرت آدمؑ کے وہ واقعات جن کا اس رکوع میں ذکر ہے ان کے بارہ میں غلط فہمی کی وجہ صرف واقعات کو مسلسل سمجھ لینے سے نہیں ہوئی بلکہ اس سے زیادہ لفظ قال کے جو بار، بار آتا ہے پورے مفہوم کو نہ سمجھنے سے ہوئے۔

قال جو لفظ قول سے نکلا ہے اس کے معنی زبان سے کہنے کے ضرور ہیں مگر اس کے علاوہ اپنے دل میں سوچنے کے یا محسوس کرنے کے بھی ہیں جیسے کہ قرآن کریم میں خود آتا ہے ''اور اپنے دلوں میں کہتے ہیں کہ اللہ ہمیں عذاب کیوں نہیں دیتا'' (المجادلۃ: ۵۸:۸) پھر لفظ قال زبان حال یعنی اپنی حالت سے کسی بات کو ظاہر کرنے کے لئے بھی آتا ہے مثلاً آسمان اور زمین کا اپنے رب کی فرمانبرداری میں آجانے کے لئے قرآن فرماتا ہے ''ان دونوں نے کہا ہم دونوں خوشی سے حاضر ہوتے ہیں'' (حٰم ۴۱:۱۱) کبھی اللہ تعالیٰ کی قدرت یا تسخیر سے ایک فعل کے ہونے پر بھی قال آتا ہے جیسے کہ فرمایا ''یعنی ہم نے کہا کہ اے آگ تو ابراہیمؑ پر ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جا'' ابن اثیر لکھتے ہیں کہ عرب لوگ لفظ قول سے تمام افعال کا معنی ادا کر لیتے تھے اگرچہ زبان سے کچھ بھی نہیں کہا گیا ہو۔ مثلاً قال بیدہ جس کے معنی ہیں اس نے اپنے ہاتھ سے پکڑ لیا اگرچہ اس پکڑنے کے فعل کے لئے لفظ قال آیا ہے۔

اسی طرح قال برجلہ یعنی وہ پیدل چلا گیا۔ یہاں چلنے کے لئے لفظ قال آیا ہے۔ یا قال بالماءِ علی یدہ اس نے پانی ہاتھ پر ڈالا جہاں لفظ قال پانی کو ڈالنے کے معنوں میں آیا ہے۔ یا قال بثوبہ اس نے کپڑا اٹھا لیا الغرض یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ لفظ قال جو موجودہ رکوع میں بار، بار آتا ہے، اس کے یہ معنی نہیں کہ وہ تمام باتیں زبان سے آمنے سامنے کی گئیں بلکہ دل میں خیال آنے، یا اپنی حالت سے کسی بات کو ظاہر کرنے یا اپنے ردّعمل یا Reaction سے کسی بات کو ظاہر کرنے، ان تمام معنوں میں لفظ قال کا استعمال ہوتا ہے۔ ایک اور غلط خیال عام ہے کہ حضرت آدمؑ اور اماں حوّا کو اس جنت میں پیدا کیا گیا تھا جو آسمانوں میں اگلی زندگی میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کے لئے تیار کی ہے۔ حالانکہ اس رکوع میں پہلی آیت سے ہی واضح ہے کہ حضرت آدمؑ کو اس زمین میں رکھا گیا تھا جیسا کہ شروع کے الفاظ سے ظاہر ہے ''اور جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا کہ زمین میں اپنا خلیفہ بنانے والا ہوں''۔ اگلی زندگی کی جنت کے لئے تو قرآن حکیم میں صاف طور پر آیا ہے کہ ''یعنی جو اس جنت میں داخل ہوں گے وہ اس میں سے کبھی بھی نکالے نہیں جائیں گے'' (الحجر ۱۵:۴۸)۔ اس لئے جس جنت میں حضرت آدمؑ اور اماںؑ حوّاؑ کو رہنے سہنے کا موجودہ رکوع میں ذکر ہے اور جس سے وہ عارضی طور پر نکالے گئے تھے وہ اس دنیا کی جنت تھی۔ دوسری جگہ آیا ہے ''یعنی جو اپنے رب کے آگے کھڑے ہونے سے ڈرتا ہے اس کے لئے دو جنتیں ہیں'' (الرحمٰن ۵۵:۴۶)۔ جس کے معنی پر اتفاق ہے کہ اس سے مراد ایک تو اس دنیا کی جنت ہے اور دوسری آخرت کی جنت۔ ان تمام دلائل سے ثابت ہوا کہ یہ خیال کہ حضرت آدمؑ اور اماں حوّا اگلے جہان کی جنت میں رکھے گئے تھے اور بعد میں وہاں سے نکالے گئے تھے بالکل غلط خیال ہے۔ اس دنیا کی جنت کیا ہے اس کا ذکر میں اسی رکوع کی تفسیر میں کروں گا جہاں اس جنت کا ذکر آئے گا۔

دو اور باتوں کا ذکر کر کے میں اس ابتدائی بحث کو ختم کروں گا۔ ایک تو یہ کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ نسلِ انسانی کی ابتداء ایک میاں بیوی سے ہوئی جن کا نام آدمؑ و حوّاؑ تھا۔ حضرت آدمؑ کا ذکر قرآن حکیم میں خود موجود ہے۔ حضرت حوّا کا نام احادیث میں مذکور ہے اور جس واقعہ کا ذکر موجودہ رکوع میں ہے وہ انہی دونوں کو پیش آیا۔ قرآن حکیم نے آگے نسلِ انسانی کو مخاطب کرتے

ہوئے ان دونوں کو ابویکم (الاعراف ۷:۲۷) تمہارے ماں باپ کہا ہے۔ آج خود سوچنے سمجھنے والے سائنس دان بھی یہ ماننے پر مجبور ہیں کہ نسلِ انسانی ایک ہی ماں باپ سے پیدا ہوئی جس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ ظاہری اختلافات مثلاً قد، رنگ، ناک، نقشے وغیرہ کے علاوہ اندر سے تمام انسان خواہ وہ کہیں بھی ہوں بالکل ایک ہیں۔ اور یہ ناممکن تھا اگر نسلِ انسانی ایک ماں باپ سے پیدا نہ ہوئی ہوتی۔ رہا ظاہری اختلافات تو وہ ایک ماں باپ کی ایک وقت کی اولاد میں بھی ہوتے ہیں۔ مثلاً میرے ماں باپ کے آٹھ بچے تھے چھ لڑکیاں اور دو لڑکے۔ ہم میں سے کوئی دراز قد ہے تو کوئی درمیانہ قد والا اور کوئی پستہ قد یعنی قد میں چھوٹا، کوئی گورا ہے تو کوئی سانولا، کوئی بادامی اور کوئی کالا۔ کسی کے ناک نقشے موٹے ہیں تو کسی کے باریک۔ تو نسلِ انسانی جو دور دراز کے علاقوں میں پھیل گئی جہاں کے موسم، آب و ہوا، خوراک، حالات زندگی مختلف تھے تو ہزار ہا سال کے اندر ان میں اگر قد، رنگ اور ناک نقشوں میں اختلاف پیدا ہو گئے تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ شروع میں ہماری زمین ایک جگہ تھی پھر زلزلوں اور زمین کی ہلچل نے اسے مختلف براعظموں میں بانٹ دیا۔ یہ آج سائنس کا انکشاف ہے تو نسلِ انسانی کا ہر براعظم میں ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں۔

تو اگرچہ حضرت آدمؑ اور اماں حوا سے تمام نسلِ انسانی کی ابتدا ہوئی اور جس واقعہ کا موجودہ رکوع میں ذکر ہے وہ انہی دو کو پیش آیا مگر یہ واقعہ ان سے خاص نہیں بلکہ ان کے ذکر میں تمام نسلِ انسانی کا ذکر ملحوظ ہے۔ اس بات کو قرآن حکیم نے خود واضح کر دیا ہے جب فرمایا: ''یعنی اے آدمؑ کی اولاد شیطان تم کو آزمائش میں دُکھ میں نہ ڈالے جس طرح اس نے تمہارے ماں باپ کو جنت سے نکال دیا تھا'' (الاعراف ۷:۲۷)۔

اسی طرح اگر موجودہ رکوع میں آدمؑ کو زمین میں خلیفہ بنانے کا ذکر ہے تو دوسری جگہ فرمایا تمام نسلِ انسانی کو مخاطب کرتے ہوئے ''یعنی وہی تو خدا ہے جس نے تم سب کو زمین میں اپنا خلیفہ بنایا'' (الانعام ۶:۱۶۶)۔ ایک اور جگہ فرمایا ''تم سب کو زمین میں اپنا خلیفہ بناتا ہے'' (النمل ۲۷:۶۲)۔ اور آج کے درس کے سیاق و سباق یعنی پچھلی اور اگلی آیات کو دیکھا جائے تو وہاں بھی تمام نسلِ انسانی کو بحیثیت مجموعی ذکر ہے۔ پچھلے رکوع کی آخری آیت میں فرمایا جو کہ دوسری جگہ بار، بار دوہرایا گیا ہے ''یعنی وہی تو خدا ہے جس نے سبھی کچھ جو زمین میں ہے تمہارے لئے پیدا کیا ہے'' تو ساری نسلِ انسانی اللہ تعالیٰ کی اس زمین میں جانشین ہے، نہ کہ کوئی ایک انسان۔ پچھلے رکوع کو ختم فرمایا ''یعنی وہ ہر چیز کا بہترین علم رکھنے والا ہے'' تو اپنے علم کا بھی جانشین اس نے کسی ایک شخص کو نہیں بنایا بلکہ تمام نسلِ انسانی کو۔ اسی لئے آگے جہاں آدمؑ کو تمام نام سکھانے کا ذکر آئے گا تو میں بتاؤں گا کہ اس سے مراد بنی آدم کو تمام علوم سکھانے سے ہے۔ اسی طرح اگر فرشتوں کے آدمؑ کے علم کو وجہ سے اس کے آگے سجدہ کرنے بمعنی فرمانبرداری کرنے کا آگے ذکر آئے گا تو میں بتاؤں گا کہ اس میں بنی آدم کے دنیاوی علوم میں ترقی کر کے تمام کائنات کی قوتوں کو اپنا فرمانبردار کر لینے کا ذکر ہے کیونکہ فرشتے کائنات کی ہر طاقت یا قوت کے انچارج ہوتے ہیں۔ یہ نظارہ تو ہم آج دیکھتے ہیں کہ کس طرح انسان نے علوم کی ترقی سے زمین کی تمام طاقتوں یا قوتوں پر اختیار حاصل کر لیا ہے۔ اسی طرح اسی رکوع میں آگے جو ھبوط یعنی اعلیٰ مقام سے گر پڑنے کا ذکر ہے تو وہاں بھی فرمایا کہ ''یعنی ہم نے حکم دیا کہ تم سب کے سب اس اعلیٰ حالت سے نکل جاؤ''۔ اسی طرح آدمؑ کے خون بہانے یا فساد کرنے کا ذکر ہے تو دنیا میں اس وقت کا اکیلا آدم کس کا خون بہا سکتا تھا یا کس سے فساد کر سکتا تھا؟ ظاہر ہے کہ تمام نسلِ انسانی مراد ہے۔ الغرض حضرت آدمؑ اور حوا کے ذکر میں ہم سب کا ذکر ہے اور جب تک ہم اس کو اچھی طرح ذہن نشین نہیں کر لیتے ہم اس رکوع کے اہم ظاہر اور باطن کے علوم اور ہدایت سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔

☆☆☆☆

# وفات حسرت آیات

## امریکہ

تمام احباب جماعت کو یہ پڑھ کر دُکھ ہوگا کہ ہماری Hope میگزین کے ”ایڈیٹر“ محترم اکبر عبداللہ صاحب اس جہان فانی سے کوچ کر گئے ہیں۔

”بے شک ہم سب اللہ ہی کے لئے ہیں اور اُسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے“

مرحوم کی زندگی بے شمار خوبیوں کی حامل تھی۔ مرحوم انتہائی فعال اور مخلص ممبر تھے۔ تمام جماعتوں کے درمیان ایک رابطہ کی حیثیت رکھتے تھے۔ انہوں نے کئی سالوں تک Hope میگزین کو نہایت ہی اعلیٰ اور پایہ میگزین بنائے رکھا۔ تمام جہاں کی خبریں آپ کے توسط سے تمام جماعتوں کو ملتی تھیں۔ آپ کی رحلت جماعت کے لئے ایک سانحہ سے کم نہیں اور ان کی کمی دیر تک محسوس ہوتی رہے گی۔

اللہ تعالیٰ ان کے خاندان والوں کو یہ صدمہ برداشت کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین

## راولپنڈی

تمام احباب جماعت کو یہ پڑھ کر دِلی دُکھ ہوگا کہ ہمارے نہایت ہی محترم بزرگ میاں فخر الدین احمد صاحب انتقال فرما گئے ہیں۔

”بے شک ہم سب اللہ ہی کے لئے ہیں اور اُسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے“

مرحوم بے شمار خوبیوں کے مالک تھے۔ خوبصورت آواز اور عمدہ طریق تبلیغ و تعلیم۔ آپ نے بطور قائمقام جنرل سیکرٹری کے بھی خدمات سرانجام دیں۔ آپ ”پیغام صلح“ کے لئے باقاعدہ مضامین لکھنے والوں میں سے تھے۔ آپ جماعتی لٹریچر اور جماعت کی تاریخ کا ایک روشن باب تھے۔

اللہ تعالیٰ ان کے خاندان والوں کو یہ صدمہ برداشت کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین

## پشاور

تمام احباب جماعت کو یہ پڑھ کر دُکھ ہوگا کہ ہمارے بھائی صاحبزادہ اسرائیل احمد صاحب کی آٹھ سالہ بیٹی وفات پا گئی ہے۔

”بے شک ہم سب اللہ ہی کے لئے ہیں اور اُسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے“

اللہ تعالیٰ اس بچی کو اپنی جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور والدین اور خاندان والوں کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔ آمین

# تعزیتی قرارداد

## فیض الرحمٰن مرحوم ومغفور

احمدیہ انجمن کی پہچان، فیض الرحمٰن۔ اپنے نام کے مصداق رب، رحمٰن کا وہ فیض جس سے احمدیہ انجمن نے پچاس ساٹھ برس فائدہ اٹھایا۔ خدا کے حضور حاضر ہو گئے۔ اس فانی دنیا سے رخصت تو ہر شخص ہوتا ہے مگر فیض جیسے شخص کی جدائی ایک ایسا شاق ہے جو خدا کے حضور بھی سرخرو ہوں گے۔ اپنی وفاؤں کا حساب دیتے وقت کانپ کانپ نہیں جائیں گے۔ خدا ان کے گھر والوں کو صبرِ جمیل عطا کرے۔ ان کی نیک نامی اور ایمانداری، فرض شناسی ان کے لئے ایسا زادِ راہ ہے جو مومن لوگ اپنے پلو میں باندھ کر لے جائیں تو منزلیں آسان ہو جاتی ہیں۔

ہمارے لئے تو فیض صاحب صرف انجمن کے ایک فرض شناس کارکن تھے مگر ذاتی زندگی میں انہوں نے بھانجے، بھتیجوں کی پرورش کی، تعلیم اور شادی تک فیض صاحب کی ذمہ داری ٹھہرے۔ خود شادی نہیں کی۔ دو بھائیوں اور ایک بہن کی یتیم اولاد کو پالنا اور زندگی میں جینے کا ڈھنگ سکھانا ان کے دن رات تھے۔

گھریلو زندگی کے علاوہ انجمن سے وابستہ ہر شہر کی ہر جماعت کے افراد کا ڈیٹا انہیں ذہن نشین تھا۔ جب بھی ماہانہ چندہ جمع کروانے دفتر میں جاتے تو فیض صاحب پوری جماعت کے افراد کا حساب سامنے رکھ دیتے کہ فلاں شخص کا چندہ نہیں آ رہا۔ مسیح موعود علیہ السلام کے ایسے خاموش سپاہی تھے۔ جو صرف کام کی لگن رکھتے تھے۔ ہم دعا کرتے ہیں کہ ان کے گھرانے میں کوئی اور ایسا سپاہی نکلے جوان کی پہچان بن جائے۔ ویسی ہی مسیح موعود علیہ السلام سے وفاداری نبھائے۔

خدا فیض صاحب کو جنت الفردوس میں گھر دے۔ ان کی نیکیوں کو زندہ رکھے۔ ان کی خوبیوں کو باقی رکھے۔ ہم ان کے لواحقین کے ساتھ ان کے غم اور دکھ میں برابر کے شریک ہیں۔ تنظیم خواتین احمدیہ لاہور کی طرف سے تعزیتی قرارداد پیش ہے۔ خدا کے ان کے گھر والوں کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔ آمین

تنظیم خواتین احمدیہ لاہور

باہتمام پاکستان پرنٹنگ ورکس کچا رشید روڈ لاہور سے چھپوا کر پبلشر چوہدری ریاض احمد صاحب نے دفتر پیغام صلح، دار السلام۔ ۵۔ عثمان بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن لاہور سے شائع کیا۔

# حضرت مسیح موعودؑ خود اپنے آپ کو نبی نہیں جانتے تھے

(از جناب غلام رسول صاحب جانباز)

---

قادیان میں تھے مسیحؑ نامور
اختتامِ ماہِ رمضان تھا ، مگر

رہ گئے تھک کر سبھی پیر و جواں
عید کا مطلق نہ چاند آیا نظر

سب مسلمانوں نے روزے رکھ لئے
جس طرح فرما گئے خیر البشرؐ

عید کا جب تک نہ چاند آئے نظر
اس گھڑی تک فرض ہے صوم النہر

صبحدم اٹھ کر مجددؑ نے کہا
دی گئی الہام میں مجھ کو خبر

آج یومِ عید ہے کر لو یقیں
حق کبھی رہتا نہیں ہے مستتر

سن کے یہ الہام بول اٹھے سبھی
کردیں افطار آپ فرمائیں اگر

مسکرائے اور فرمایا سنو
ہو نہیں سکتا شریعت سے مفر

بے شبہ الہام سچا ہے مرا
سنت نبویؐ مقدم ہے مگر

غیر ممکن ہے کہ حکم شرع سے
کاٹ دوں میں یا بڑھاؤں شوشہ بھر

تار سے جس دم شہادت مل گئی
عید کی ہر اک نے قصہ مختصر

ہے اولی الالباب کو نکتہ یہ بس
گرچہ ناداں کے لئے ہو بے اثر

مان لو بے شک نبی ہیں سب مطاع
پاس ہے آیاتِ قرآں کا اگر

ہوتا گر اپنی نبوت پر یقیں
وحی کو رکھتے مقدم شرع پر

اوکند انکار تو سازی نبی
شرم کن اے مدعی خاکت بسر

(پیغام صلح، 9 مارچ 1939ء)

# رنگِ تقویٰ

## محمد صالح نُور مرحوم و مغفور

اگر تم سچے انسان ہو تو یارو جھوٹ مت بولو / ہمیں بھی دو اجازت سچ کی یارو جھوٹ مت بولو

تمہارے دل میں جو کچھ ہے زباں پر بھی وُہی لاؤ / میری تم سے گذارش ہے کہ یارو جھوٹ مت بولو

منافق ہو زباں پر کچھ ہے اور دل میں تمہارے کچھ / جو دل میں ہے زباں سے بھی پکارو جھوٹ مت بولو

ہمیں بھی راست گوئی کی اجازت تم عطا کردو / غریبانِ وطن کے شہر یارو جھوٹ مت بولو

نہ اِتراؤ زمانے کو بدل جانا بھی آتا ہے / گھڑی اور دو گھڑی کے تاجدارو جھوٹ مت بولو

خدا تو سب کا خالق ہے تمہارا بھی ہمارا بھی / خدا کے اور نبیؐ کے جاں نثارو جھوٹ مت بولو

یہ کیا ہے اپنے چہرے پر نیا چہرہ سجایا ہے / اتارو نقلی چہرے کو اُتارو جھوٹ مت بولو

بہاریں جب گذر جائیں خزاں کا دَور آتا ہے / بہاروں کو سلیقے سے گذارو جھوٹ مت بولو

ہمارا کیا ہے ہم تو اس مصیبت میں بھی جی لیں گے / تمہارا کیا بنے گا میرے پیارو جھوٹ مت بولو

صداقت پر جو قائم ہیں وہی دیدار پائیں گے / دلوں کو رنگِ تقویٰ سے نکھارو جھوٹ مت بولو

☆☆☆☆☆